UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224910
UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۶۸)

اشتراکیت اور اسلام

جس میں

اسلام اور اشتراکیت کے تعلیمات کا تقابلی مطالعہ اور اشتراکیت کے خلاف فطرت

معاشی اُصولوں کی علمی وفنی تنقید کی گئی ہے نیز اس کے مابعد الطبعی نظریوں

پر ایک ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے،

از

مسعود عالم ندوی

باہتمام، مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبوعۂ معارف پریس اعظم گڈھ

طبع اوّل　　سنہ ۱۹۴۵ء　　قیمت :- عہ

فہرست مضامین

اشتراکیت اور اسلام

Checked

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دو لفظ	۱-۲	۷- مذہب اور اشتراکیت	۳۷
۱۔ موضوعِ سخن	۱	۸- اسلام اور اشتمالیت،	۴۵
۲- اشتراکیت اور اس کا پس منظر	۵	۹- اشتراکیت اور اخلاق،	۵۱
سرمایہ داری کا دور	۶	۱۰- اشتراکیت کا معاشی پہلو	۵۸
سرمایہ داری کا عروج	۷	قدر زائد،	״
معاشی اشتراکیت اور اس کے علم بردار	۸	دولت کی مساویانہ تقسیم اور شخصی ملکیت کی منسوخی	۶۲
نراج	۱۰	شخصی ملکیت کی منسوخی	۶۷
۳- اشتمالیت یا مارکسی اشتراکیت	۱۲	اشتراکی معاشیات اور اسلامی نظام،	۶۸
کارل مارکس	۱۳	زکوٰۃ	۷۰
مارکس کی تصنیفات	۱۶	تقسیمِ غنیمت	۷۱
اشتراکیت کا مادی فلسفہ	۱۸	قانونِ وراثت	۷۲
۴- طبقاتی تصادم	۲۰	سود	۷۳
۵- تاریخ کی مادی تعبیر اور لادینیت	۲۶	اکتناز کی ممانعت	״
۶- مارکسی اشتراکیت کی تاریخ	۳۰	اکتناز و احتکار کے لئے کوئی گنجائش نہیں،	۷۴
روسی انقلاب سے پہلے،	״	ایک اہم نکتہ	۷۵
روسی انقلاب اور اس کے بعد،	۳۳	خلاصۂ بحث،	۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو لفظ

زیرِ نظر رسالہ ایک دفعہ نہیں لکھا گیا، اس کے مختلف ٹکڑے مختلف وقتوں میں لکھے گئے ہیں، سب سے پہلے کوئی چار برس ہوئے محبِ محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (مدیر الفرقان) کی فرمائش پر ایک مضمون اخبار زمزم کے لئے لکھا گیا، ان دنوں ایک احراری لیڈر (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں، اللہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے) زمزم کے صفحات پر اسلام اور اشتراکیت کو ایک کرنے کی کوشش کر رہے تھے، مولانا نعمانی کا بیان ہے کہ راقم کے مضمون سے بہتوں کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں، پھر انہی کی فرمائش پر اسی مضمون کو پھیلا کر اور علمی سنجیدگی کے ساتھ الفرقان کے لئے دوبارہ مرتب کیا، الفرقان میں شائع ہوتے ہی متعدد اصحابِ نظر نے تحسین کے خطوط لکھے، مخدومی مولانا عبد الماجد دریابادی (مدیر صدق) نے خاص طور پر حوصلہ افزائی کی،

بزرگوں اور دوستوں کی حوصلہ افزائیوں نے مزید مطالعہ کی طرف رغبت دلائی مطالعہ جاری تھا، ابھی اس مضمون کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوا تھا، کہ دو تحریکیں ایسی ہوئیں جن سے اس مقالہ کو از سرِ نو کتابی صورت میں مرتب کرنے پر مجبور ہو گیا، کوئی دو برس ہوتے ہیں، کہ ایک دوست نے حیدر آباد کے ایک مشہور دار الاشاعت کا شائع کردہ (اسلام اور اشتراکیت نامی) پمفلٹ دکھایا، ٹائٹل پر اس گنہگار کا نام تھا، اور دیباچہ میرے پرانے کرم فرما اور ہم سبق عبد القدوس صاحب ہاشمی ندوی مخدوم پوری گیاوی کا لکھا ہوا، مضامین پر نظر ڈالی تو وہی زمزم والا ادھورا مضمون اور وہ بھی غلط سلط چھپا ہوا، سر پکڑ کر رہ گیا — ظالموں

نے چھپنے کے بعد ایک نسخہ بھی بھیجنے کی درد سری نہیں مول لی، ۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا، لاہور کے ایک دارالاشاعت نے بھی میرے رسالہ "عربوں کی قومی تحریک" کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کیا تھا) ہم لوگ قانون وقت کی امداد لینے سے رہے، صبر کے سوا چارہ نہیں تھا،

دوسری تحریک استاذ محترم حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ کی طرف سے ہوئی، اور معارف کے لئے ایک بسوط مضمون لکھنے کا حکم ہوا شفیق استاذ اور مربی کا حکم کس طرح اٹھایا جاسکتا تھا، اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے اعتراف و احساس کے باوجود الفرقان والے مضمون پر نظر ثانی شروع کی کچھ نیا مواد ملا اور نئے مسئلے بھی سامنے آئے آخر توفیق ایزدی سے ایک اچھا خاصا رسالہ مرتب ہو گیا

اگر اس مین خامیان ہین تو یہ خاکسار کی کم علمی اور بے بضاعتی کا نتیجہ ہے اور اگر دوستون کو کچھ کام کی باتین مل جائین تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھا جائے اور اس کے بعد استاذ ممدوح کی تربیت و تعلیم کا فیض! اہل علم سے گذارش ہے کہ وہ کوتاہیون اور لغزشون پر بے تکلف متنبہ فرمادین،

یہ اس لئے عرض کیا جارہا ہے کہ مطالعہ جاری ہے، اور انشاء اللہ دوسرے اڈیشن کے وقت مزید اضافون کا ارادہ ہے اہل نظر کے مشورے خاص طور پر شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائینگے، اشتراکی حضرات بھی کہین کوئی علمی غلطی دیکھیں تو ضرور متنبہ کردین، آخر مین مخدوم و محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی) کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ انھون نے مسودہ پر نظر ڈالنے کی زحمت گوارا کی، اور اپنے صائب مشورون سے مؤلف کو ممنون کیا، بارگاہ رب العزت مین التجا ہے کہ وہ اس ناچیز کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ویرحم اللہ عبداً قال اٰمینا،

کتاب کا املا ہمارا نہیں، یہ املا دار المصنفین کے کاتب صاحب کا ہے، راقم الفاظ ملاکر نہین لکھتا، نیز اس طریقہ املا مین بہت کچھ اصلاح کی گنجائش ہے،

دارالعروبہ
بستی دانشمندان (جالندھر)
مورخہ ۵ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

مسعود عالم ندوی

CHECKED 19
1952
Checked 1965

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

موضوعِ سخن

ادھر چند سالوں سے اردو اخباروں اور رسالوں میں "اسلام اور اشتراکیت" پر ادن رائے زنی ہوتی رہتی ہے، اور ان کے باہمی موازنہ اور تقابل پر مختلف قسم کی تحریریں نکلتی رہتی ہیں، ..... مگر ان تمام تحریروں کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ابھی اسلامی ہند میں اشتراکیت کا نظری پہلو عام طور پر نہیں سمجھا گیا ہے، اور اس کا مابعد الطبیعی فلسفہ عام نگاہوں سے اوجھل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کی اکثر بحثیں اصل موضوع سے ہٹ جاتی ہیں، ...... بحث یہ نہیں کہ اسلام کی تعلیم میں مساوات و آزادی کا سبق کس حد تک شامل ہے؟ اور نہ یہ گفتگو ہے، کہ اسلام دولت مندی اور مالداری کو کہاں تک برداشت کرسکتا ہے؟ جو لوگ صرف اس حد تک اسلام اور اشتراکیت کا موازنہ کرکے خاموش ہوجاتے ہیں، وہ حقیقت میں اشتراکیت کے مابعد الطبیعی فلسفہ اور اس کے فلسفۂ عمران سے دانستہ یا نادانستہ چشم پوشی کرتے ہیں، اصل میں ہمیں دیکھنا یہ ہے، کہ "اسلام اور اشتراکیت" انسانی مشکلوں کے حل کرنے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں یا نہیں؟ ان دونوں کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر انسانی فلاح و بہبود کی کوئی مشترک راہ نکال سکتے ہیں،

یا نہیں؟ جن لوگوں نے اشتراکیت کے فلسفہ اور نظام کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے، وہ اس بات کی شہادت دیں گے، کہ یہ ناممکن ہے، ان دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہے، ایک کی راہ اگر کعبے کو جاتی ہے، تو دوسرے کی ماسکو کو،

عام طور پر لوگ اشتراکیت بول کر مزدور اور کسانوں کے حقوق کی علم برداری، سرمایہ داری کا استیصال، اور دولت کی مساویانہ تقسیم سے زیادہ کچھ نہیں مراد لیتے، حالانکہ اشتراکیت صرف ان چیزوں کا نام نہیں، یہ تو اوپری چیزیں ہیں، اشتراکیت صرف چند معاشی اور سیاسی مسئلوں کا نام نہیں، اشتراکیت ایک مستقل اور مرتب فلسفہ ہے، اس کا ایک الگ نظام کائنات ہے، جس طرح اسلام صرف چند ظاہری رسموں اور اٹھنے بیٹھنے کے مخصوص طریقوں کا نام نہیں، بلکہ عقائد و عبادات کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیم اخلاق و معاملات کو بھی شامل ہے، اس کا اپنا اچھوتا نظام مملکت ہے، اشتراکیت اور سرمایہ داری کی افراط و تفریط سے الگ یہ اپنا عادلانہ نظام معیشت بھی رکھتا ہے، یہ ایک مستقل تہذیب اور زندگی کا ایک جامع دستور العمل ہے، جس کے دائرے سے نظام کائنات سیاسیات اور معاشیات کا کوئی گوشہ باہر نہیں، — تو جس طرح اسلام صرف چند ظاہری رسموں کا نام نہیں، بالکل اسی طرح اشتراکیت[۱] (Communism)

---

[۱] اجتماعیت (Socialism) اور اشتراکیت (Comunism) ایک ہی فکر کے دو زینے یا درجے (stages) ہیں، ہم نے ان دونوں اصطلاحوں کو ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کیا ہے، اس لئے کہ ہمیں زیادہ بحث اصل فکر سے ہے، بہرحال ان دونوں مرحلوں کے باہمی فرق کے متعلق لینن کے یہ ارشادات مزید معلومات کا باعث ہوں گے:-

"میں اب آخری مسئلے پر آرہا ہوں، یعنی اپنی پارٹی کے نام سے متعلق عرض کرتا ہوں، ہمیں

اب ابتدائی انیسوین صدی عیسوی کی خیالی اشتراکیت (Utopian Socialism) نہین رہی جس کا دائرۂ نفوذ صرف معاشی زندگی تک محدود ہو، بلکہ یہ ایک مرتب اور مربوط نظام زندگی ہے، اب یہ صرف غریبون اور مفلسون کی اقتصادی مشکلون کا حل ہی نہین، بلکہ اس کے ساتھ اخلاق، تمدن وتہذیب، اور مابعد الطبیعی تخیلات کا ایک مستقل نظام بھی ہے اور جو بھی اشتراکیت کا نام لے گا، وہ اس پورے نظام کا داعی اور حامی سمجھا جائے گا، اب اشتراکیت بول کر وہی نظام حیات سمجھا جاتا ہے، جسے کارل مارکس اور انجلز نے مرتب کیا، اور لینن نے پہلی مرتبہ اُسے روس میں عملی جامہ پہنایا، یہ نہین ہوسکتا، کہ آپ کہین تو یہ کہ "اسلام" اور "اشتراکیت" دونون ایک ہین، اور جب مارکس کے مادی فلسفے کا حوالہ دیا جائے، تو جھٹ بول اٹھین، کہ "جناب! ہماری مراد یہ نہیں، ہم تو صرف اس کی ظاہری معاشی تعلیم لینا چاہتے ہین" منطق اور عقل سلیم کی رو سے یہ جواب صحیح نہین ہوسکتا، جب آپ مارکس کے مرتب کردہ مادی فلسفے کے قائل نہین تو پھر آپ کو اشتراکیت کی ثناخوانی سے پہلے

(بقیہ حاشیہ ص ۲) اپنے کو اشتمالی پارٹی (Communist party) کہنا چاہئے جس طرح کہ مارکس اور انجلز اپنے کو "اشتمالی" کہتے تھے، انسانیت سرمایہ داری سے یک بیک اشتمالی سوسائٹی مین نہین پہنچ سکتی، اسے اشتراکی دور سے گذرنا پڑے گا، جس مین ذرائع پیداوار کی ملکیت انفرادی ہاتھون سے نکل جاتی، اور پیداوار کی تقسیم افراد کی کارکردگی کے اعتبار سے ہوتی ہے، ہم اس سے آگے بھی دیکھتے ہین، ذیر یا سویر، اشتراکیت، اشتمالیت کا قالب ضرور اختیار کرے گی جس مین پیداوار کی تقسیم کارکردگی اور استعداد کے لحاظ سے نہین ہوگی، بلکہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق تمام چیزین مل جایا کرین گی دیکھئے جون اسٹریچی کی کتاب (The theory and practice of socialism صفحہ

صاف صاف کہنا چاہئے کہ مارکس کا مادی فلسفہ سراسر الحاد و دہریت ہے، اور ہم صرف اس کے معاشی اصول کے خوشہ چین ہین"۔ لیکن یہان مقصود تو سادہ لوح نوجوانون کو مبتلاے فریب کرنا ہے، اشتراکیت (یا انھی کی زبان مین اشتراکی معاشیات) کی تلقین کرنا اور اشتراکی فلسفے کے متعلق ایک حرف نہ کہنا کامیاب پروپگنڈا[1] تو ہوسکتا ہے، مگر انصاف پسندی اور حق پرستی کی روش نہین کہی جاسکتی،

اس مقالے کی ترتیب سے راقم کی اصل غرض، اسلام اور اشتراکیت کے اسی فرق کو واضح کرنا ہے تاکہ وہ سادہ دل نوجوان جو اپنی سادگی اور جدت پسندی کے باعث اسلام اور اشتراکیت کو ایک سمجھے ہوئے ہین، ذرا ایک مرتبہ پھر اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرلین، ہمین یہ اچھی طرح معلوم ہے، کہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے نام رکھنے والے نوجوانون مین ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو جان بوجھکر اشتراکیت کو ایک علیحدہ اور مستقل نظام فکر سمجھتے ہوئے قبول کررہا ہے، سردست ان سے ہمین کچھ نہین کہنا ہے، وہ مارکس اور اس کی کتابون سے تو واقف ہین، مگر قرآن مجید اور سرورکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائی ہوئی تعلیم سے بالکل نابلد ہین، ان کے لئے دعاے خیر ہی کیجاسکتی ہے، مگر بہت سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام رکھنے والے ایسے بھی ہین (اور آج کی

[1] پروپگنڈا بازون کے نام لینا نہین چاہتا، ہان مثال کے طور پر عرض کیا جاتا ہو کہ لاہور کے ایک روزنامہ صحیفہ کے صفحات پر ایک مرحوم لیڈر عرصے تک اسی طرح اشتراکیت کی قصیدہ خوانی کرتے رہے، کلکتہ کے ایک مشہور و مبتذل اخبار نویس کا بھی یہی شیوہ ہے، راقم نے ایک موقع پر (دسمبر سنہ ۴۲ء) جب ان کی توجہ اس تضاد کی طرف کرائی تو انھون نے نہایت سادگی کے ساتھ فرمایا، "ہم نے اس پر کبھی غور نہین کیا، ہمیں اس سے کوئی بحث ہی نہین ہمین تو صرف غریبون کے دکھ درد کا مداوا کرنا ہے" اللہ رے! معصومیت! یہ سب پروپگنڈا کے ہتھکنڈے ہین

صحبت مین روئے سخن زیادہ تر انہی کی طرف ہے، جنھون نے ظاہر مین یہ دیکھ کر کہ اسلام اور اشتراکیت دونون سرمایہ داری اور سامراج (امپیریلیزم) کے خلاف ہین، دونون مساوات کے داعی، رنگ و نسل کے دشمن اور غریب طبقون کی بھلائی چاہتے ہین، یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ دونون ایک ہین، اور مسلمان بیک وقت مسلمان بھی ہو سکتا ہے، اور اشتراکی بھی؛ اس کا قبلہ مکہ مکرمہ بھی ہو سکتا ہے، اور سیاسی و معاشی دشواریون کے حل کے لئے وہ ماسکو کا رُخ بھی کر سکتا ہے، وہ رسول عربی (اللہ کا آپ پر ہزار ہزار درود و سلام) کی پیروی بھی کر سکتا ہے، اور مارکس کو بھی اپنا معاشی و سماجی رہنما تسلیم کر سکتا ہے، اشتراکیت اور اس کے نظام کی سرسری واقفیت بھی دو اور دو چار کی صورت مین یہ حقیقت نمایان کرتی ہے کہ اسلام اور اشتراکیت ایک دوسرے کی نقیض (Contrary) اور ضدین، دونون ایک جگہ جمع نہین ہو سکتے، رسول کریم (اللہ کی آپ پر رحمت اور سلام) کا ماننے والا مارکس اور اس کی تعلیم پر نفرین بھیجنے پر مجبور رہے گا، اور مارکس کا ماننے والا رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہین لا سکتا،

یہ چند اشارات تھے، اصل موضوع کی طرف آیئے، اب ہم ذرا تفصیل سے بتاتے ہین کہ اشتراکیت کیا ہے؟ اور اس کے مادی فلسفے کی نوعیت کیا ہے؟ کارل مارکس کون تھا؟ اور اس کی تعلیم کیا ہے؟

(۲)

اشتراکیت اور اس کا پس منظر

اشتراکیت کیا ہے؟ اس کے سمجھنے کے لئے اٹھارھوین اور انیسوین صدی کے

یورپ کا سمجھنا اور جاننا ضروری ہے، اٹھارہوین صدی اور انیسوین صدی کا آغاز یورپ
مین سرمایہ داری کے عروج کا زمانہ تھا جب فراہمی دولت کے ذرائع چند انسانون کے
پاس سمٹ کر جمع ہو گئے تھے، اور عام آبادی سرمایہ دارون کی اُجرتی غلام ہو کر رہ گئی
تھی، معیشت مین انفرادیت (Individualism) کی تعلیم کا یہ لازمی نتیجہ تھا، سرمایہ دار
اور عیسائی کلیسا عوام کو لوٹنے مین ایک دوسرے کے حلیف بنے ہوئے تھے، قانون اور
مذہب سب کے سب سرمایہ دارون کے آلۂ کار بن کر رہ گئے تھے، اس سرمایہ دارانہ نظام
کے ردِ فعل نے اشتراکیت (Socialism) کی صورت اختیار کر لی،

(۱) سرمایہ داری کا دور

آپ نے کبھی غور کیا کہ "سرمایہ داری" ہے کیا چیز؟ سرمایہ، اور راس
المال تو اپنی جگہ پر کوئی بُری چیز نہین، اگر ایک خاندان کسی صنعت سے اپنا پیٹ پالتا ہو
اور اس کے تمام افراد اسی صنعت (Industry) مین محنت کرتے ہیں، تو اس
مین کوئی قباحت نہین، حالانکہ اس صورت مین دولت آفرینی موجود ہے، لیکن اگر
اسی خاندان کے کام کو فروغ حاصل ہو، اور اپنے کنبے کے علاوہ دوسرے لوگون
سے بھی معمولی مزدوری پر کام لینا شروع کر دے، اور اپنی ضرورت سے زیادہ چیزین
پیدا کر کے دوسری منڈیون مین منفعت بخش تجارت شروع کر دے، تو یہ کاروبار،
سرمایہ داری کی فہرست مین داخل ہو جائے گا، یہی کاروبار آگے بڑھ کر ایک منظم
سرمایہ دارانہ آڑھت اور کارخانہ کی صورت اختیار کر سکتا ہے، جہان مزدورون
کو نہایت معمولی اُجرت ملتی ہے، اور سارا نفع سرمایہ دار کی جیب مین جاتا ہے،

اس نظام مین ایک چیز اور قابلِ لحاظ ہے جس طرح سرمایہ دار اپنی کارخانون
کی پیداوار منڈیون مین بیچتا ہے، اسی طرح مزدور اپنی محنت کارخانہ دار کے ہاتھ بیچتا ہے

لیکن دونون کے بیچ مین فرق ہے قیمتون کا مدوجزر محنت (Labour) اور پیداوار (Production) دونون کے ساتھ ہے، سرمایہ دار اپنی پیداوار کو روک کر قیمت کے اتار چڑھاؤ کا انتظار کر سکتا ہے لیکن غریب فاقہ کش مزدور، جس کی زندگی کا دار و مدار روزمرّہ کی اجرت پر ہے، ایک روز بھی اتار چڑھاؤ کے بھروسہ پر بیٹھا نہیں رہ سکتا، اس لئے وہ کم سے کم اُجرت پر سرمایہ دار کے ہاتھ اپنی محنت فروخت کرنے پر مجبور ہے، اور اس طرح رفتہ رفتہ سرمایہ دار کے پاس دولت سمٹ کر جمع ہوتی جاتی ہے اور بے کس اور بے خانمان مزدورون کا گروہ بڑھتا جاتا ہے،

(ب) سرمایہ داری کا عروج | محنت کی ارزانی اور سرمایہ کی فراوانی سے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوتے ہین، جہان لاکھون مزدور معمولی اجرت پر کام کرتے ہین، اس طرح سرمایہ (Capital) اور محنت (Labour) مین کشاکش پیدا ہوتی ہے، اور مزدورون مین ایک قسم کی باہمی یگانگی اور ہمدردی پیدا ہونے لگتی ہے، اس کے برخلاف بڑے کارخانون کے قیام سے چھوٹے کارخانے ختم ہو جاتے ہین، اور چھوٹے سرمایہ دارون کا وجود بھی نہیں قائم رہتا، بلکہ سماج (Society) دو طبقون (سرمایہ دار اور مزدور) مین تقسیم ہو جاتی ہے، مارکس کے خیال کے مطابق سرمایہ داری کا عروج خود اس کے زوال کی خبر دیتا ہے، سرمایہ دارانہ نظام کے اسی عروج سے بے خانمان مزدورون کا طبقہ (پرولتاری Proletariate) وجود مین آتا ہے، جو آخر سرمایہ دارانہ نظام کے لئے قضائے مبرم ثابت ہوتا ہے،

سرمایہ داری اپنے عروج مین نت نئے چولے بدلتی ہے، جب پیداوار حد سے زیادہ بڑھنے لگتی ہے، تو اُسے نئے بازارون کی تلاش ہوتی ہے، اور مواد خام کے لئے نئی

زمینون کی یہ تلاش آخر سامراج اور شہنشاہیت (Imperialism) کا سہارا لیتی ہے لیکن شہنشاہیت کا لبادہ اوڑھتے ہی سرمایہ دارون کے درمیان باہمی رقابت کا شروع ہوجانا ناگزیر ہے، مواد خام کے لئے نئی زمینون اور مصنوعات کے لئے بازارون کی تلاش مین وہ کشاکش ہوتی ہے، کہ عالمگیر جنگ کا سامنا ہوتا ہے، آج آپ دنیا مین جو کچھ دیکھ رہے ہین، یہ سب اسی سرمایہ دارانہ نظام کے مظاہر ہین، سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد پر کوئی صالح تمدن قائم ہو ہی نہیں سکتا،

تمھاری تہذیب آپ ہی اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا (اقبال)

۲- معاشی اشتراکیت اور اوس کے علم بردار

اشتراکیت آج کل جس کا اتنا شور سنائی دیتا ہے، اصل مین سرمایہ دارانہ نظام کے ردِّ فعل کا نام ہے، پہلے پہل یہ ردِّ فعل صرف معاشی پہلو لئے ہوئے تھا، سرمایہ دارانہ نظام کے بڑھتے ہی یورپ مین ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جنھون نے مزدورون کی حمایت مین آواز بلند کی، اوران کی فلاح وبہبود کے لئے عملی جد وجہد کی،

گو آج کل دنیا مین جس اشتراکیت کا بول بالا ہے، (اور جو آج ہمارا موضوعِ سخن ہے) وہ مارکس کی انقلابی اشتراکیت یا "اشتمالیت" ہے، تاہم سرسری طور پر ان لوگون کا ذکر کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، جنھون نے مارکس سے پہلے معاشی مساوات کا خیال ظاہر کیا، اس کے لئے اپنی کوششیں صرف کین، اور خود مارکس بھی ان کی تصنیفون اور خیالات سے مستفید ہوا،

(الف) ان لوگون مین سین سیمون (St Simon: ۱۷۶۰ - ۱۸۲۵) کا نام سب سے

پہلے آتا ہے، اُسے بعض معاشی مورخ سوشلزم کا باپ بھی کہتے ہین، یہ پہلا شخص ہے جس نے صنعتی انقلاب کے آثار دیکھ کر اس بات پر زور دیا کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کے قبضہ مین ہونا چاہئین گویا اس کی اشتراکیت مملکتی اشتراکیت (State socialism) کا ابتدائی خاکہ ہے،

(ب) اٹھارہویں صدی کے اواخر مین فوری اے (Fourier ۱۷۷۲-۱۸۳۷) پیدا ہوا، اقتصادی بدحالی اور مزدوروں سرمایہ داروں کے باہمی مقابلہ و پیکار سے متاثر ہوکر اس نے امداد باہمی کا اصول وضع کیا، اور یہ تجویز پیش کی کہ چار پانچ سو خاندانوں (یعنی قریب اٹھارہ سو آدمیوں) کی بستیاں قائم کی جائین، جو معاشی اور سیاسی اعتبار سے بالکل خودمختار ہون، اس کا خیال تھا، کہ اس قسم کی سوسائٹیوں یا بستیوں کے قیام سے نظام معیشت کی باہمی رقابت ختم ہوجائیگی، سین سیمون کے نظریہ کو تو مقبولیت حاصل ہوئی، خود مارکسی اشتراکیت مین اس کی تعلیمات کا اثر موجود ہے لیکن فوری اے کی تجویز پر کسی نے عمل نہین کیا،

(ج) روبرٹ اوئن (Robert Owen ۱۷۷۱-۱۸۵۰) نے بھی امداد باہمی کے اصول کی تعلیم دی، اس نے سارے سماج کی اصلاح کا ذمہ نہیں لیا بلکہ اپنی نظر سرمایہ دارون اور مزدورون کے مسئلون پر قائم رکھی، اور اپنے دائرہ عمل کو یہین تک محدود رکھا، وہ خود ایک کارخانہ کا مالک اور منتظم رہ چکا تھا، اس لئے اس کے تجربات نہایت قیمتی تھے، انگلستان مین اس کے اصولون نے کافی مقبولیت حاصل کی، ایک حد تک ہم اُسے موجودہ اشتراکیت کا بانی بھی کہہ سکتے ہین،

(د) اشتراکیت کا چوتھا نقیب لوئی بلان (Louis Blanc ۱۸۱۳-۱۸۸۲)

فرانس کا ایک انقلابی تھا، اُس کا خیال تھا کہ مملکت (State) اپنے سرمایہ سے قومی کارخانے کھولے، اُن کے لئے کل سامان فراہم کرے، دستور بنائے، کچھ دنوں تجربے کے بعد یہ کارخانے خود مختار کر دیئے جائیں یعنی اخراجات اور آمدنی کی تقسیم عہدہ داروں کا انتخاب اور کاروبار کی تدبیرین، کارخانوں کے مزدوروں اور کارکنون پر چھوڑ دیجائین، ابلان کا خیال تھا کہ اگر ایک مرتبہ ایسے کارخانے قائم ہوگئے تو سرمایہ داری کی تمام خرابیان دور ہوجائین گی، اس کے سیاسی حریفون کی مخالفت کے باعث اس کی تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی،

مصلحیت (Anarchism) ہم نے ابھی جن اشتراکی مفکرون کے نام لئے ہین، ان کی تحریکین زیادہ بارآور نہ ہوسکین، اس لئے کہ وہ سرمایہ دارون کی اخلاقی حس[1] سے اپیل کرنا چاہتی تھین، اور بدقسمتی سے سرمایہ دارون کے پاس اخلاقی حس کی قسم کی کوئی چیز ہوتی ہی نہین، مارکس کی انقلابی اشتراکیت کو جو کامیابی ہوئی اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اوس نے سرمایہ دارون سے اپیل تو درکنار انھین خطاب کا بھی مستحق نہ سمجھا، اس کی اپیل براہ راست مزدورون سے تھی، دولت وثروت کو عزت کا معیار تصور کرنا انسانیت کی توہین ہے، اس کا مقولہ تھا، دولت آفرینی

[1] ان اشتراکی مفکرون کو رائج الوقت سرمایہ دارانہ نظام سے اس لئے نفرت تھی کہ وہ ایک ظالمانہ نظام تھا جس مین ایک چھوٹا مالدار طبقہ مخلوق خدا کا خون چوس رہا تھا، انھیں نظام سرمایہ داری سے اس لئے نفرت تھی کہ وہ ایک کار رفتہ نظام ہے، جو ایک خاص وقت کے لئے موزون تھا، اور اب نئے حالات مین وہ نظام نہین چل سکتا، یہ لوگ طبقاتی امتیاز کے بھی دشمن نہین تھے، یہ اشتراکیت گویا ایک اخلاقی تحریک تھی۔

مین مزدور کا پلہ بھاری ہے، اس کی تعلیم کا خلاصہ تھا، مزدور کی اجرت کو سرمایہ دارون کی غیر مکتسب (Unearned income) آمدنی پر ترجیح دیکر اوس نے مزدور کا سینہ غرور و تمکنت سے بھر دیا، اوس نے اپنے پیش روحامیانِ اشتراکیت کے برخلاف پہلی مرتبہ اس بات پر زور دیا کہ اشتراکیت کا قیام ایک اخلاقی مقصد نہین بلکہ ایک ناگزیر تاریخی وجوب (Historical necessity) ہے،

حقیقت مین انیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین سرمایہ دارانہ نظام جس حد کو پہونچ گیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ ایک ایسی تحریک کا ظہور تھا، جو اُسے جلا کر خاک سیاہ کر دے، مارکس کی اشتمالیت یا انقلابی اشتراکیت انیسوین صدی کے سرمایہ دارانہ نظام اور کلیسا اور سرمایہ دارون کی ملی بھگت کی لازمی پیداوار ہے، اگر مارکسی اشتراکیت کا بول بالا نہ ہوتا، تو پھر دنیا کو اس سے بھی زیادہ خطرناک تحریک نراج یا فوضیت (Anarchism) کی فتنہ سامانیون کا مقابلہ کرنا پڑتا، یہ تحریک سرمایہ داری کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر وجود میں آئی تھی، اس کی دعوت عام اباحیت کی تھی، "ہر آدمی اپنے افعال مین خود مختار ہے، اس کے اقوال اور افعال پر کوئی پابندی نہین ہونا چاہئے"، اس کا شعار تھا، تاریخ مین اس سے پہلے صرف ایک ایسی تحریک مزدک ایرانی کے نام کے ساتھ وابستہ نظر آتی ہے، جس سے چھٹی صدی عیسوی مین فواحش کا ایک سیلاب عظیم امنڈ پڑا تھا، لیکن نراج کی یہ تحریک مزدک ایرانی کی تحریک سے بھی زیادہ وسیع اور زیادہ خرمن سوز تھی، یہ انسانیت کے لئے اچھا ہوا کہ یہ بے تہار تحریک پھل پھول نہ سکی، اور اس پر سب سے زیادہ کاری ضرب لگانے والا خود کارل مارکس تھا، معاشی لحاظ سے تو نراج اشتراکیت سے

قریب ہے لیکن یہ فرد کی آزادی پر حد سے زیادہ زور دیتی ہے، اس کے برخلاف اشتراکیت فرد کو جماعت کے ماتحت رکھتی ہے، نراج کا بانی بکونن (Bakunin ۱۸۱۴-۱۸۷۶) مارکس کا معاصر تھا، کچھ دنون تک دونون مین میل بھی رہا، پھر خوب معرکہ آرائیان ہوئین، جس مین مارکس کی جیت رہی، بکونن خود بھی مارکس کی دماغی برتری کا قائل تھا، لیکن اسے مکار سمجھتا تھا ۔ بہر حال کہنا یہ ہے، کہ انیسوین صدی کے بدترین حالات کے ردعمل کے طور پر نراج کی تحریک بھی ظہور مین آئی تھی لیکن مارکس کی اشتراکی تعلیم، اور اس کی قلمی معرکہ آرائیون کے باعث یہ تحریک برگ و بار نہ لاسکی، روبرٹ اوئن کی اخلاقی اشتراکیت اور نراج کے درمیان مارکسی اشتراکیت (اشتمالیت) ایک نقطۂ اعتدال کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ درمیانی اشتراکیت بھی اپنے دامن مین کتنی فتنہ سامانیان پنہان رکھتی ہے اس کا حال ابھی معلوم ہوگا،

(۳)

اشتمالیت یا مارکسی اشتراکیت (Marxian Socialism)

مارکس جس کا ذکر ابھی آتا ہے) سے پہلے کی اشتراکیت (جسے سوشلزم[۱] کے نام سے پکارا جاتا تھا) محض معاشی نظریہ کی حیثیت رکھتی تھی، جس کا مقصد اس کے سوا کچھ

[۱] اشتراکیت (سوشلزم) اور اشتمالیت (کمیونزم) کے باہمی فرق پر ابھی ہم لینن کی ایک تحریر کا ایک اقتباس دے چکے ہین (ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۳و۲) اس سلسلہ مین یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سوشلزم (اشتراکیت) اور کمیونزم (اشتمالیت) معاشی نظریہ کی تفصیلات مین بھی ایک دوسرے سے ایک حد تک الگ ہوجاتے ہین، پھر بھی معاشی مساوات اور سرمایہ داری کے استیصال کے جذبہ مین اتحاد

نہ تھا، کہ شخصی ملکیت کو ختم کر کے دولت اور اس کی پیداوار کے طریقوں کو برابر برابر تقسیم کر دیا جائے، لیکن مارکس نے اشتراکیت کو معاشی دائرے سے نکال کر ایک مربوط نظام حیات کی حیثیت دیدی، زندگی کے کسی ایک شعبہ مین بنیادی انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے شعبون کو بھی ازسرنو ادھیڑ کر مرتب کیا جائے، اسی بناپر مارکس کو پوری انسانی زندگی کے لئے ایک ایسا نظریہ اور ایک ایسا ایجابی فلسفہ وضع کرنا پڑا جو اس کے معاشی نظریون کے لئے اساس اور بنیاد کا کام دیسکے، اور چونکہ اشتراکیت کی تہ مین مادہ اور روٹی کے سوا کوئی چیز نہین تھی، اس لئے جو نظریۂ حیات اور نظام فلسفہ اس کی فطرت سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے وضع کیا گیا، وہ سراسر ایک مادہ پرستانہ نظریہ اور نظام حیات بن کر رہا، اب آج ہم جس اشتراکیت سے دوچار ہین، وہ یہی مارکسی اشتراکیت (اشتمالیت) ہے، جو صرف غریبون اور مزدورون کے معاشی مشکلات کا حل ہی نہین، بلکہ اوس کے ساتھ اخلاق و تمدن و تہذیب کا ایک فلسفہ اور مابعد الطبیعی تخیلات کا ایک نظام بھی ہے، معاشی حیثیت سے بھی مارکسی اشتراکیت نے ایجابی سے زیادہ سلبی پہلو پر زور دیا، اسی لئے اس کو انقلابی اشتراکیت بھی کہتے ہین،

(الف) کارل مارکس (Karl marx، ۱۸۱۸ - ۱۸۸۳)

یہ یہودی مفکر جو آج اشتراکیت کا پیغمبر[۵] تسلیم کیا جاتا ہے، رائن لینڈ (جرمنی) کے شہر ٹرائر (Trier) مین پیدا ہوا، (۱۸۱۸ء) یہودی النسل تھا، گو اس کا خاندان

۵؎ علامہ اقبال مرحوم نے مارکس ہی پر کہا ہے ؎ نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب، لیکن اشتراکیون کی عقیدتمندی اور نیازمندی نے اسے اب خدائی کے درجہ پر پہنچا دیا ہے، اور اس کی جگہ اشتراکی مذہب کی پیغمبری کا منصب لینن (ف ۱۹۲۴ء) کو مل گیا ہے،

بچپن ہی میں برائے نام عیسائیت کا حلقہ بگوش ہوگیا تھا، لیکن یہ کمسنی ہی سے ماحول کے اثرات سے بالکل آزاد تھا، تبدیلی مذہب سے وہ بالکل متاثر نہیں ہوا، بچپن ہی سے یہ بے باک ضدی اور ہٹ دھرم تھا، اپنی عقل کی پیروی کرتا، اور اپنے کو بے خطا سمجھتا تھا، ابتدا ہی سے اوس نے جذبات کو عقل کے تابع رکھا، یہی وہ خصوصیات تھیں جو آگے چل اوس کی بے پناہ انقلابی قوت کا باعث ہوئیں،

اس کا باپ وکیل اور خوشحال تھا، اس لئے تعلیم اچھی ملی، طالب علمی ہی سے یہ بہت ہونہار تھا، بون (Bonn) اور برلن کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی، تاریخ، قانون، فلسفہ اوسکی دلچسپی کی چیزیں تھیں، خاصکر ہیگل[1] کے فلسفہ کی طرف اس کی توجہ زیادہ رہی جس کا اوس زمانہ کی جرمن یونیورسٹیوں میں بہت چرچا تھا،

۱۸۴۱ء میں اس نے اپنی رسمی تعلیم ختم کر لی، اوس وقت تک اوس کے افکار پختہ ہو چکے تھے، اوس نے وقت کے رائج نظریوں سے خوب استفادہ کیا، یہ انیسویں صدی کا وسط تھا، انگلستان میں ریکارڈو (Recardo) اور آدم اسمتھ (AdamSmith) معاشیات کے استاد سمجھے جاتے تھے، ان کے معاشی نظریے مقبول عام ہو رہے تھے، ادھر فرانس میں والیٹر (Voltaire) اور روسو (Rousseau) کے سیاسی تصورات کی دھوم تھی، قدیم جبر و استبداد کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں، اور مساوات و اخوت کا نیا دور شروع ہو رہا تھا، ان دونوں سے الگ جرمنی پر ہیگل کا فلسفہ چھایا ہوا تھا، اور لوگ مملکت[2] (State) کے ساتھ الوہیت[3] کے جذبات وابستہ کرنے لگ گئے تھے

---

[1] ہیگل: مشہور جرمن فلسفی (۱۷۷۰-۱۸۳۱ء) [2] ہیگل کی مملکت نہ تو کسی اصول کی پابند ہے، اور نہ کسی حیثیت سے جوابدہ ہے، گویا وہ بالکل معصوم چیز ہے جرمنی کی موجودہ کلیت پسند (Totalitarian) مملکت ہیگل ہی کی ذہنی مخلوق ہے،

مارکس کے شباب مین خیالات کے یہ تین دھارے بہ رہے تھے، اور یہ اُن سب سے متاثر ہوا یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات مین فلسفہ، معاشیات اور سیاسیات کی پوری آمیزش موجود ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیم کے تین اہم حصے (ا) تاریخ کی مادی تعبیر (ب) قدر زائد کا نظریہ (ج) طبقاتی تصادم، فلسفہ، معاشیات اور سیاسیات تینون کی نمایندگی کرتے ہین[1]

۱۸۴۲ء سے اس کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے پیرس مین ایک روزنامہ کی ادارت مل گئی، جس مین اوس نے دل کے پھپھولے خوب توڑے لیکن اس کے آتشین قلم کی خرمن سوزیان حکومت کی برداشت سے باہر تھین، پھر پیرس ہی مین ایک جرمن اخبار سے وابستہ ہوگیا لیکن وہان بھی قانون کی جکڑبندیان رکاوٹ ثابت ہوئین، آخر وہ پیرس چھوڑ کر برسلز (Buxxeles) آگیا؛

پیرس مین گو اس کا قیام مختصر رہا لیکن یہ مختصر زندگی بعض لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہین اسے فریڈرک اینجلز (Friedrich Engels: ۱۸۲۰-۱۸۹۵) جیسا وفادار رفیق ملا، جو آگے چل کر اوس کے خیالات کا مستقل داعی بن گیا، اینجلز ایک مالدار کارخانہ دار کا بیٹا تھا، اور پہلے ہی وہ رابرٹ اوئن سے متاثر ہوچکا تھا، اور اشتراکی رجحان رکھتا تھا، مارکس سے ملنے کے بعد وہ انقلابی اشتراکیت کا حامی ہوگیا، ان دونون کی رفاقت ۱۸۴۴ء مین شروع ہوئی، اور مرتے دم تک قائم رہی، اینجلز (وفات ۱۸۹۵ء) مارکس کے بعد بارہ برس زندہ رہا، اور برابر اشتراکی خیالات کی تبلیغ کرتا رہا، اشتراکیت کی تاریخ مین اس کا مرتبہ مارکس کے بعد ہے،

۱۸۴۵ء مین مارکس اینجلز کے ساتھ انگلستان آگیا، جہان دونون دوست مزدوروں

[1] ان نظریون کی تشریح آگے آتی ہے،

کی تنظیم مین لگ گئے، ۱۸۴۷ء مین بین الاقوامی اشتراکی لیگ کی بنیاد رکھی، اس سلسلے
مین کچھ دنون مارکس فرانس، بلجیم، اور جرمنی مین مارا مارا پھرا، آخر ۱۸۴۹ء مین وہ مستقل
طور پر لندن آگیا، جہان اوس نے اپنی عمر کے آخری ۳۴ برس انتہائی عسرت مین گزارے،
اور ہین ایک تنگ و تاریک کمرے مین بیٹھ کر اپنے معاشی اور مادی نظریون کی
تشکیل اور تدوین کی، اخبارات کے لئے مضامین لکھ کر کچھ پیسے کماتا، پھر اینجلز کی
مالی امداد اُسے قرض خواہون کی لعنت سے بچاتی، تا آنکہ ۱۸۸۳ء مین اس کا پیمانۂ
حیات لبریز ہو گیا،

(ب) مارکس کی تصنیفات | مارکس کی زندگی انتہائی کشمکش کی زندگی تھی، ارباب
قانون اس سے لرزہ براندام رہتے تھے، وہ جہان بھی رہا، قانون کا شکنجہ اس سے
غافل نہین تھا، آخر انگلستان مین اُسے ایک گونہ چین و امن کی زندگی نصیب ہوئی،
یہان بھی عسرت دامنگیر تھی، جس کے مقابلہ کے لئے اس کے پاس دماغ و قلم کے سوا
کوئی دوسری چیز نہ تھی، اس پریشانی مین اُس نے ہزارون صفحے سیاہ کر ڈالے، ان
تمام تحریرون مین تین چیزین خاص طور پر قابلِ ذکر ہین :

(۱) اشتراکی منشور (Communist Manifesto).

(۲) نظام معیشت پر تنقید (Critique of political economy)

(۳) سرمایہ (Capital)

اشتراکی منشور کو اولیت کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ یہ مارکسی اشتراکیت یا اشتمالیت
کا سنگ بنیاد ہے، یہ دنیا کے مزدورون کے لئے پیام عمل تھا، اور سرمایہ دارون کے لئے
اعلان جنگ، اس کی یہ انقلابی حیثیت اب بھی قائم ہے، اس کی تصنیف و ترتیب

ہین مارکس اور اینجلز دونون شریک تھے، لیکن خود اینجلز کا بیان ہے کہ موجودہ شکل مین یہ منشور مارکس ہی کا مسودہ ہے،

فروری ۱۸۴۸ء مین پہلی مرتبہ اوس کی اشاعت ہوئی، اس کا شائع ہونا تھا کہ ہر طرف سے لبیک کی صدا بلند ہوئی، سب سے پہلے اسی منشور کے ذریعہ مارکس نے اپنا "مادی فلسفہ" دنیا کے سامنے پیش کیا، تقریباً پچھلی ایک صدی مین اس کے لاکھون لاکھ نسخے مختلف زبانون مین شائع ہو چکے ہین،

(۲) دوسری تصنیف "نظام معیشت کی تنقید" ہے اقتصادی بحثین ہین، اور خاص طور پر مارکس نے اپنے اقتصادی نظریہ قدر زائد (Surplus Value) پر روشنی ڈالی ہے، اصل مین اس علمی کاوش سے اشتراکی منشور کی باغیانہ روح کے لئے سند جواز تلاش کرنا تھی،

(۳) اس کی تیسری کتاب "سرمایہ" ہے، جو عام طور پر اپنے جرمن نام (Das Kapital) سے مشہور ہے، یہ مارکس کے تمام خیالات کا نچوڑ ہے، اور بجا طور پر اُسے سوشلسٹون کا "آسمانی صحیفہ" کہا جاتا ہے: Das Kapital ع

نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

صرف پہلی جلد اس کی زندگی مین چھپی، (۱۸۶۷ء) باقی دو جلدین اس کے رفیق کار اینجلز کے اہتمام اور ترتیب سے ۱۸۸۵ء اور ۱۸۹۴ء مین شائع ہوئین، یہ کتاب ہے تو سوشلسٹون کا صحیفہ، مگر اعداد و شمار کے انبار اور طرز بیان کے الجھاؤ سے ایک چیستان بن گئی ہے، جو اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگون کی سمجھ مین بھی ذرا مشکل سے آتی ہے، مرحوم علامہ اقبال [redacted] : کہ اس شعر کو خود مارکس

(حسب تصحیح غلط نامہ)

تری کتابون میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہو آخر
خطوط خم دار کی نمایش، مریز و کج دار کی نمایش

(ج) اشتراکیت کا مادی فلسفہ مارکسی اشتراکیت اور اس کے ماتحت روسی انقلاب کی تاریخ اور تفصیل بیان کرنے سے پہلے اُس اشتراکی مادی فلسفہ کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے، جو آج دنیا بھر کے اشتراکیون کا مرجع بن گیا ہے،

موجودہ اشتراکیت کے بابا آدم مارکس کی تعلیمات مین بنیادی چیز اس کا مادی فلسفہ ہے، جسے اصطلاحی زبان مین جدلی مادیت (Dialectical Materialism) سے تعبیر کیا جاتا ہے "جدلی مادیت" سے مراد وہ مخصوص زاویۂ نگاہ ہے، جس کے ذریعہ ایک اشتراکی (Marxist) کائنات اور عالم کی تشریح اور تجزیہ کرتا ہے، اس زاویۂ نگاہ کو "جدلی مادیت" اس لئے کہتے ہین کہ مارکس کے مطالعۂ قدرت کا طریقہ جدلی ہے، اور قدرت کے متعلق اس کا بنیادی تصور مادی ہے، یعنی وہ قدرت کو ایک مادی چیز سمجھتا ہے، جدلی مادیت کے اصولون کو اگر سماجی زندگی کے مطالعہ مین کام میں لایا جائے، تو اسی کو تاریخی مادیت (Historical Materialism) کہتے ہین، یہ جدلی مادیت لینن (Lenin) کی زبان مین "مارکسیت" کی زندہ روح، اور اس کی بنیادی اصل ہے، "Dialectics" یونانی لفظ "Dialegs" سے نکلا ہے، جدلیات سے مراد تھا مخالف کی دلیلون مین تضاد کے پہلو نکال کر اوسے قائل کر دینا، عہدِ قدیم مین فلسفی یہ سمجھتے تھے، کہ خیالات اور دلیلون مین تضاد کے پہلو نکال کر حقیقت تک پہونچنے کا بہترین راستہ تلاش کیا جاسکتا ہے، یہ

تبدیلی طریقہ بعد مین قدرت کے مظاہر کے سمجھنے مین استعمال کیا جانے لگا، مارکس ہیگل[۵] کا شاگرد ہے، اوس نے مادی فلسفہ کی اساس ہیگل ہی سے مستعار لی ہے، گو دونون کے استنتاج اور برتنے مین زمین و آسمان کا فرق ہے ہیگل کے نزدیک کائنات، تصورات (Idea) کی ارتقائی حرکت کا نام ہے، یہ ارتقا تصورات کے باہمی کشمکش اور تضاد کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا ہے، اس کے نزدیک زندگی اور ہر حرکت کی تہ مین یہی تضاد اور کشمکش کارفرما ہے، ہر عین (تصور) اپنے اندر اپنا ضد لئے ہوئے ہے، ہر اثبات اپنے دامن مین نفی پوشیدہ رکھتا ہے، کائنات کے ارتقا مین یہ ایجابی اور سلبی طاقتین ٹکراتی ہین، اور ان سے ایک نیا اثبات پیدا ہوتا ہے، جو پہلے اثبات سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتا ہے، اور اسی طرح ارتقار کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ہیگل نے اپنے اس اثبات، نفی اور ترکیب کے ذریعہ سے تمام کائنات کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، وہ مادہ کا وجود تسلیم نہین کرتا، وہ ذہنی عین، یا تصور ہی کو سب کچھ کہتا ہے اس کے خیال مین مادہ اور یہ خارجی دنیا سب اسی تصور یا ذہنی عین کے مظاہر ہین گو یہ جدلیت، خواہ مخواہ وجود باری کے انکار کی طرف لے جاتی ہے، اور اسی بنا پر بعض عیسائی کلیساؤن نے ہیگل کا فلسفہ پڑھنا ممنوع کر دیا تھا، پھر بھی ہم ہیگل کو وجود باری کے تصور کا منکر نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ اس کے ہان ایک تصور مطلق (Absolute Idea) کا تصور موجود ہے، جہان کائنات کی ارتقا ختم ہوتی ہے

---

[۵] لینن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ہیگل کو سمجھے بغیر مارکس کی Capital کا سمجھنا ناممکن (Unintelligible) ہے،

اور جسے وہ خالق کے تمام اختیارات سے بھی مسلح کر دیتا ہے، گو یہ تصور مطلق اسلامی تصورِ الٰہ کے لحاظ سے بالکل ناقص ہے، تاہم کسی نہ کسی حد میں وجود باری کا تصور ہیگل کے ہاں موجود ہے،

مارکس نے اپنے مادی فلسفہ کی بنیاد ہیگل کے اسی جدلی ارتقاء پر رکھی، اور یہ نظریہ اُس نے ہیگل ہی سے مستعار لیا، جس کا اسے خود اعتراف ہے، لیکن اس نظریہ کے برتنے میں اُس کی راہ ہیگل کے بالکل برعکس ہو گئی ہیگل کے نزدیک ذہنی عین یا تصور ہی آخری حقیقت تھی، مارکس نے اپنے استاد کی تعلیم بالکل الٹ دی اوس نے کہا کہ مادہ ہی سب کچھ ہے، اور تصورات کی کشمکش ہماری اس مادی دنیا کی کشمکش کا محض عکس ہے، وہ روح یا کسی غیر مرئی دنیا کا یکسر منکر ہے، اس کے نزدیک مادہ ہی ہر چیز کی اصل ہے، یہی بنیاد اور واقعیت ہے، مادہ کو کائنات کی اصل مان کر مارکس نے ہیگل کے جدلی فلسفہ اور طریق استدلال کو دنیا کی پوری تاریخ پر استعمال کرنا شروع کر دیا، نیز مذہب اور تمام ذہنی تحریکات کو مادی تحریکات کے عمل اور ردعمل کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی،

(د) طبقاتی تصادم | مارکس کے فلسفہ کا سنگ بنیاد تو وہی "جدلی مادیت" ہے جس کی تشریح ابھی کی گئی، طبقاتی تصادم اور تاریخ کی مادی تعبیر کے نظریے اسی کے شاخسانے ہیں

ہم پہلے طبقاتی تصادم کو لیتے ہیں، مارکس کے نزدیک جب ایک معاشی نظام ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے، تو اوس کے اندر سے بعض نئی پیداواری قوتیں نمودار ہو کر اپنے زمانہ کے حالات پیداوار سے متصادم ہوتی ہیں، یہ نئی قوتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں، کہ مروجہ معاشی نظام کو بدل کر طبقوں کی از سرِ نو

تقسیم عمل مین لائی جائے، اور وہ نظام ملکیت بھی بدل دیا جائے، جو نئی پیداواری قوتون کا ساتھ نہین دے سکتا، یہ تبدیلی ان لوگون پر قدرتی طور پر گران گذرتی ہے، جنھین اب تک معاشی تنظیم مین دوسرے طبقون پر غلبہ واقتدار حاصل تھا، اور یہ لوگ ان نئی پیداواری قوتون کے دبانے اور مٹانے مین اپنا زور صرف کرنا شروع کر دیتے ہین اس لئے کہ ان نئی پیداواری قوتون کی کامیابی و برتری کے ساتھ ان کے اقتدار و غلبہ کا خاتمہ بھی یقینی ہو جاتا ہے، ان غلبہ و اقتدار کے مالکون کے مقابل سماج کے وہ مظلوم طبقے ہوتے ہین جنھین مروجہ معاشی تنظیم مین پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہین آتا، وہ ان نئی پیداواری قوتون کا خیر مقدم کرتے ہین، اس لئے کہ ان نئی قوتون کی کامیابی مین انھین اپنی فلاح اور بہتری کی امید نظر آتی ہے، اس طرح پر ظالم و مظلوم اور غالب و مغلوب کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے، اسی کشمکش کو مارکس طبقاتی تصادم (Class Struggle) کے نام سے موسوم کرتا ہے، ظالم و مظلوم کی یہ کشمکش اسی طرح جاری رہتی ہے، تا آنکہ سماج کے تمام غیر متعلق طبقے بھی ایک نہ ایک فریق کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتے ہین، سوسائٹی صاف صاف دو طبقون مین بٹ جاتی ہے، اور آخر کار مظلوم طبقے کی فتح ہوتی ہے، اور وہ دولت کی پیداوار کے ذرائع و وسائل پر قابض ہو جاتا ہے، اس مظلوم طبقے کی فتح اصل مین نئی پیداواری قوتون کی فتح ہوتی ہے، جو مروجہ معاشی نظام کے اندر سے پیدا ہوئی تھین،

مظلومون کی فتح کے ساتھ ایک نیا معاشی نظام بنتا ہے، اور طبقات کی نئی تقسیم معرض وجود مین آتی ہے، اور اس نئے معاشی نظام کے مزاج اور مقتضیات کے مطابق مذہب، قانون، سیاست، زندگی کے تمام شعبون مین تبدیلیان نمودار ہوتی ہین، لیکن

جب یہ نظام کچھ دنوں چلنے کے بعد تکمیل کو پہنچ لیتا ہے، تو اس پر بھی وہی جدلی عمل شروع ہوجاتا ہے، اس کے اندر سے بھی بعض نئی پیداواری قوتیں ابھرتی ہیں، اور حالات پیداوار سے ان کی کشمکش شروع ہوجاتی ہے، اور طبقاتی تصادم کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، تاآنکہ یہ نظام بھی تباہ ہوجاتا ہے، اور دوسرا نظام اوس کی جگہ لے لیتا ہے،

مارکس کہتا ہے کہ یہ طبقاتی تصادم اسی طرح عرصۂ دراز سے جاری ہے، پہلے غلامی کا نظام تھا، اوس کے بعد جاگیردارانہ نظام پیدا ہوا، لیکن جب جہازرانی کو ترقی ہوئی اور تاجروں اور کاریگروں کا نیا طبقہ وجود میں آیا، تو جاگیرداری نظام (Feudal System) بھی ختم ہوا تاجروں اور کاریگروں کی فتح ہوئی، اور سرمایہ داری کا موجودہ نظام پیدا ہوا، اور جب انیسویں صدی میں یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا، تو اوس کے اندر سے بھی مخالف قوتیں نمودار ہونے لگیں، بے خانماں مزدوروں کا طبقہ (پرولتاریہ) انہی تازہ قوتوں کا مظہر ہے، جو سرمایہ داری کو ایک دن مٹا کر دم لیگا، یہ کشمکش عرصہ سے جاری ہے، اور مارکس کی پیشین گوئی کے مطابق یہ جدلی عمل (Dialectical process) بہت جلد تکمیل کو پہنچ جائے گا یعنی نظام سرمایہ داری کا دنیا سے خاتمہ ہوجائے گا، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام اخلاقی تمدنی وسیاسی تصورات بھی کالعدم ہوجائیں گے، جو سرمایہ دارانہ نظام سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے معرض وجود میں آئے تھے، مزدوروں کو فتح حاصل ہوگی، اشتراکیت[1] کا دور دورہ ہوگا، نئے اقدار ہوں گے، اور نئے تصورات، جو اشتراکی نظام سے بالکل ہم آہنگ ہونگے۔

---

[1] مارکس کے نظریہ کے مطابق نظام سرمایہ داری کے ختم ہوتے ہی فوراً ہی اشتراکی نظام وجود میں نہیں آئیگا بلکہ نظام سرمایہ داری کی تباہی اور اشتراکیت کے قیام کے درمیان ایک اچھا خاصہ وقفہ ہوگا جس میں

یہ ہے طبقاتی تصادم کے نظریہ کا خلاصہ، سرسری طور پر بھی اس مین متعدد خامیان نظر آتی ہین، مثال کے طور پر بعض کوتاہیون کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے :-

اس پر متعدد اہم اعتراضات وارد ہوتے ہین :-

(۱) جب مارکس کی پیشین گوئی کے مطابق اشتمالیت (Communism) کا دور دورہ ہوگا، اور سوسائٹی سے طبقات مٹ جائین گے، تو پھر یہ جدلی عمل کس طرح جاری رہے گا ؟ کیا مثالی سماج کے وجود مین آنے کے بعد جدلی عمل ختم ہو جائے گا ؟ تو پھر "جدلی مادیت" کا فلسفہ غلط اور مہمل ثابت ہوا جاتا ہے،

اور اگر اس مثالی سماج کے نمودار ہو جانے کے بعد بھی یہ طبقاتی تصادم جاری رہے گا، تو اس کے معنی یہ ہوئے، کہ آپ کی مثالی سوسائٹی مین بھی نقائص ہین، اور یہ دعویٰ کہ اشتمالی سوسائٹی مین ہر شخص کو اس کی ضرورت کی چیزین بے کشمکش کے ملتی رہا کرین گی، صحیح نہین معلوم ہوتا، بہرکیف مارکس کی کتابین اس کا تشفی بخش جواب نہین دیتین،

(۲) طبقاتی تصادم کے سلسلے مین مارکس کی بہتیری پیشین گوئیان صحیح نہین ثابت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲) پرولتاریہ کی آمریت قائم ہوگی، اس آمریت کے ذریعہ پرانے نظام کے بچے کچھے عناصر کا قلع قمع کیا جائے گا، یہ آمریت ایک غیر محدود مدت تک رہے گی، (روس آج کل اسی دور سے گذر رہا ہے) جب اس آمریت کا کام ختم ہو جائیگا، تو وہ خود میدان سے ہٹ جائے گی، اور مثالی سوسائٹی نمودار ہوگی لیکن مبصرون کی رائے میں روس کی موجودہ پرولتاری آمریت میدان سے ہٹتی نظر نہین آتی، اور مثالی سوسائٹی (Classless Society) کا تو کیا ذکر؟ وہان سوشلزم کا بھی پتہ نہین، ملاحظہ ہو مسانی کی "Socialism Reconsidered" (انڈین سوشلجسٹ، مئی ۱۹۴۴ء)

ہوئین، مثال کے طور پر دیکھئے، مارکس کا خیال تھا، کہ سماج کے مختلف طبقون کے مفاد کا باہمی تضاد آخر ظالم و مظلوم کی ایک عالمگیر کشمکش کی صورت مین ہوگا، جس مین دنیا کے تمام مظلوم مل کر، ظالمون کے مقابلہ مین صف آرا ہون گے، اور پرولتاریہ آمریت قائم کرکے ایسی مثالی سوسائٹی (Classless Society) کے لئے راستہ ہموار کرین گے، جہان ظلم اور نوچ کھسوٹ (Exploitation) کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا، مارکس نے اس قسم کے طبقاتی تصادم کی صرف پیشین گوئی ہی نہین کی، بلکہ اوس نے یہ بھی کہا، کہ اشتراکی نصب العین کے حصول کا اور کوئی راستہ نہین، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ واقعات بالکل مخالف سمت کو جا رہے ہین، طبقاتی تصادم کی بجائے اب تک قومی رقابت (National rivalry) ہی کا زور ہی آج کی دنیا مین طبقات کے مقابلے مین قومون کی رقابت اور ایک دوسرے پر تعدی زیادہ نمایان ہے، اشتراکی منشور کی اشاعت کے بعد سے (۱۸۴۸ء) قومون مین طبقاتی شعور کی جگہ قومی شعور بڑھتا ہی گیا ہے، پہلی جنگ عظیم اور موجودہ بڑی لڑائی سے یہ بات روشن ہو گئی، کہ قومی مفاد کے سامنے مزدور اور پرولتاری طبقے اپنے طبقاتی مفاد کو فراموش کر جاتے ہین، ورنہ انگلستان اور جرمنی کے مزدورون کو اندرونی انقلاب برپا کرنے سے آج کون چیز مانع ہے؟

اور تو اور خود اشتراکی روس بھی اشتراکیت کی بجائے، قومی وطن (Father land) ہی کے نام پر جان و مال کی قربانی دے رہا ہے، بہرحال گذشتہ سو برس کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ دنیا کے باشندون کا قومی شعور ان کے طبقاتی شعور سے زیادہ قوی ہے، اور یہ مارکس کے نظریے اور پیشین گوئیون کی

صریح تردید ہے،

(۱۶) مارکس نے پیشین گوئی کی تھی، کہ مزدورون کی حالت روز بروز خراب ہوتی جائیگی، واقعات اس کی بھی تائید نہین کرتے، دنیا کے تمام حصون مین بلا استثنا مزدور طبقے کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے، البتہ ہندوستان اور اس جیسے غلام ملکون مین یہ رفتار دھیمی ہے،

(۱۷) مارکس نے یہ بھی کہا تھا، کہ دنیا ظالم و مظلوم دو طبقون مین صاف صاف بٹ جائے گی، یہ پیشین گوئی بھی صحیح نہین ثابت ہوئی، ہم دیکھتے ہین کہ بعض طبقے ظالم بھی ہین، اور مظلوم بھی، مثال کے طور پر انگلستان کے مزدورون کو لیجئے، وہ انگلستان مین مظلوم ہین، لیکن ہندوستان اور دوسرے غلام ملکون پر ظلم کرنے مین وہ اپنے مالکون کے ہمنوا ہین، اور اس نظام پر قانع ہین، جو دنیا کی کروڑون مخلوق پر طرح طرح کے ظلم ڈھا رہا ہے، یہی نہین بلکہ مزدورون کی انجمنون کے سرمایے سرمایہ دار بنکون، اور کمپنیون مین بھی لگے ہوئے ہین[۵] (ملاحظہ ہو برٹرنڈ رسل کی کتاب آزادی کی راہین Roads to Freedom ص ۱۵۵-۱۵۴)

---

[۵] مارکس کی ایک اور غلطی کی بھی یہان نشاندہی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کے نظریہ کی رو سے پرولتاری انقلاب کی ابتدا اس جگہ ہونی چاہیے تھی، جہان سرمایہ داری نظام اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہو، لیکن اس کی ابتدا، نہ جرمنی مین ہوئی، نہ انگلستان مین، نہ امریکہ مین، بلکہ ہوئی تو روس مین جہان سرمایہ داری نظام کی ابھی ابتدا تھی، اور جاگیرداری نظام بھی اختتام کو نہ پہنچا تھا،

(۵)

تاریخ کی مادی تعبیر اور "لادینیت"

یہ بات کہ اشتراکیت اور لامذہبیت دونوں لازم ملزوم ہیں، جدلی مادیت اور اسکے شاخسانہ تاریخ کی مادی تعبیر (تاریخی مادیت) کی تھوڑی سی مزید تشریح سے بالکل واضح ہوجائے گی، جدلی مادیت، اور طبقاتی تصادم کی توضیح تو ابھی کی جاچکی ہے، اب آپ تاریخی مادیت کو یوں سمجھ سکتے ہیں، کہ دنیا میں اب تک جو کچھ ہوتا آیا ہے، وہ طبقاتی تصادم کی ایک مسلسل داستان ہے، ایک نظام معیشت کچھ دنوں چلتا ہے، پھر معاشی رفتار کے اقتضا کی بنا پر خود اُسی کے اندر اس کی حریف طاقت پیدا ہوجاتی ہے، اور دونوں کے ٹکرسے ایک نیا نظام نمودار ہوجاتا ہے، مارکس[۱] کے نزدیک دنیا کی پوری تاریخ معاشی مصالح کے اسی عمل اور ردِ عمل کا نتیجہ ہے، مذہب ہو یا اخلاق، اس کے دائرۂ عمل سے کوئی چیز باہر نہیں آپ ایک اشتراکی سے پوچھیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کے روحانی تعلیمات کے کون سے معاشی محرکات تھے ؟ وہ ضرور کوئی نہ کوئی بات نکال کر کہے گا، راقم الحروف کبھی کبھی سوچا کرتا کہ آخر یہ لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں کن معاشی عوامل کی کارفرمائی دکھاتے ہوں گے ؟ لیکن یہ حیرت دیر تک باقی نہ رہی، ملک کے ایک مشہور اشتراکی عالم M. N. Roy نے اپنی کتاب اسلام کا تاریخی کارنامہ (The Historical Role of Islam) میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مادی

---

[۱] مادی زندگی میں طریق پیداوار ہی زندگی کے روحانی، سیاسی اور سماجی عمل کا رُخ متعین کرتا ہے، انسان کا شعور ان کے وجود کا ضامن نہیں، بلکہ اس کے برعکس ان حالات کا سماجی وجود انسانی شعور کی نوعیت

قدروں (Values) کے ذریعہ سمجھانے کی ناکام اور احمقانہ کوشش کرہی ڈالی ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کو پیٹ اور روٹی کے واسطے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرنا تاریخ سے انتہائی ناواقفیت کی دلیل ہے، یہ اصل مین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم اور بعد کے مسلمان بادشاہون کی فتوحات کے درمیان فرق نہ کرنے کا نتیجہ ہے،

ہم جانتے ہین کہ معاشی حالات تاریخ کی تکوین مین موثر ہوئے ہین، اور ہوتے ہین، مگر اس طرح نہین کہ ساری تاریخ ہی معاشی کشمکش کا نتیجہ ہو کر رہ جائے، معاشی حالات کے علاوہ دوسرے عوامل (Factors) بھی ایک عہد کے تمدن، فلسفہ اور سیاست کی تکوین و تشکیل مین کافی اثر انداز ہوتے ہین، پچھلے زمانون مین سیاسی اور سماجی انقلابات صرف مادہ ہی کی کشمکش (Conflict) سے نہین پیدا ہوئے، معاشی مصالح کی طرح ہزارون لاکھون انسانون نے صرف مذہبی تعلیمات کے زیر اثر بھی لڑائیان لڑی ہین، مختلف قومون کے درمیان صلح نامون اور معاہدون کی تکمیل مین معاشی سے زیادہ نسلی، تمدنی اور مذہبی عوامل کا دخل رہا ہے،

ان مختلف عوامل کے علاوہ بسا اوقات غیر معمولی اشخاص بھی تاریخ کا رُخ بدلنے مین کامیاب ہوئے ہین، کبھی کبھی بعض اتفاقی حادثات بڑی بڑی خونریز لڑائیون کا باعث ہو جاتے ہین، مگر مارکس اور اوس کے ماننے والے یہ ماننے کو تیار نہین، ان کے نزدیک اشخاص کی کوئی قیمت نہین، مارکس کے نزدیک اشخاص اپنے زمانے کے معاشی موثرات کے ہاتھ مین کھلونے کی طرح کام کرتے ہین، گو یہ حقیقت اور مشاہدہ کے کتنا ہی خلاف کیون نہ ہو؟ خود روس کے اشتراکی انقلاب (۱۹۱۷ء) مین لینن کی شخصیت نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) کی تعیین کرتا ہے، (مارکس: بحوالہ اسٹریچی: صفحہ ۳۶)

معمولی کام نہین کیا ہے، ہم یہ نہین کہتے کہ اشخاص اپنے زمانے کے رجحانات اور معاشی و سیاسی عوامل سے متاثر نہین ہوتے، لیکن یہ ضرور کہتے ہین کہ ان سیاسی رجحانات وعوامل پر بھی شخصیتون کا گہرا چھاپ ہوتا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ ساری تاریخ معاشی مصالح کے عمل وردِعمل کا نتیجہ ہے، صحیح نہین ہوسکتا،

بہرحال مارکسؔ کا یہ خیال کہ دنیا مین اب تک جو کچھ ہوا ہے، وہ طبقاتی اور معاشی کشمکش کی ایک داستان ہے، (خواہ وہ کتنا ہی مہمل ہو) مان لینے کے بعد کسی مذہب کی گنجائش نہین باقی رہتی، کوئی وحی، نبوت، الہام تسلیم نہین کیا جاسکتا، وہ فلسفہ جو نری مادیت پر مبنی ہے، جو دنیا کو صرف ذرات کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے، وہان کسی مذہبی یا روحانی تصوّر کا سوال ہی نہین پیدا ہوتا، ان کے ہان مادہ ہی سب کچھ ہے روٹی ہی خدا ہے، انسان خود خالق کائنات ہے، کسی غیرمرئی خالق کائنات کا تصور ہی ممکن نہین،

سلہ اس نظریہ کو مارکس کے یار غار اینجلز نے ایک جگہ ان الفاظ مین پیش کیا ہے، (اسٹریکی: ص۶-۳۶۵)
"تاریخ کے مادی تصور کا آغاز اس اصول سے ہوتا ہے، کہ پیداوار اور پیداوار کے ساتھ ذرائع تبادلہ ہر سماجی نظام کی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہین، تاریخ کے تمام ادوار مین پیداوار کی تقسیم اور سماج کی طبقہ واری تفریق مین اس بات کا دخل رہا ہے، کہ پیداوار کیا ہے، اور کس طرح یہ پیداوار وجود مین آتی ہے، اور یہ کہ ان کا تبادلہ کس طرح عمل مین آتا ہے، اس تصور کے مطابق سماجی تبدیلیون اور سیاسی انقلابات کے اسباب کی تلاش مین اشخاص کے دماغ اور ان کی دوررس اور حقیقت شناس نگاہون کی طرف رُخ نہین کرنا چاہئے، بلکہ ان کی بجائے طریق پیداوار اور طریق تبادلہ مین ان اسباب کا سراغ لگانا چاہئے، فلسفہ کی بجائے اس عہد کی معاشیات مین ان اسباب کی تلاش کرنا چاہئے،

خلاصہ یہ کہ اشتراکیون کے عمل سے قطع نظر بھی کرلین، تو جہان تک مارکس کے مادی فلسفے کا تعلق ہے یہ اور مذہب ایک جگہ جمع نہین ہو سکتے۔ اشتراکیت اور مذہب ایک دوسرے کی نقیض ہین، اور پھر اسلام؟ جو عقائد و عبادات کے مجموعہ کے علاوہ زندگی کا ایک مربوط نظام عمل اور حکومت و معاشرت کا مکمل دستور العمل بھی ہے، اوس سے اور اشتراکیت سے کیا تعلق؟ جہان تک اساسی تعلیم اور فلسفہ حیات کا تعلق ہے، اشتراکیت اور اسلام دو متضاد چیزین ہین۔ اسلام کا آغاز فکر، خالق کائنات کے تصور سے ہوتا ہے، پہلے خالق کا تصور ہوتا ہے، اس کے بعد اور کچھ۔ اشتراکیت کا نقطۂ آغاز دولت اور مادہ ہے، پھر دونون کہان مل سکتے ہین؟ اشتراکیت کی بنیاد نری مادیت ہے، جو کبھی انسان کو تشفی نہین دے سکتی۔ مادیت کا لازمی نتیجہ لذتیت ہے جس پر نظام اجتماعی کو کسی طرح استوار نہین کیا جا سکتا، مادیت کا یہ طوفان سب سے بڑا خطرہ ہے، جو اس وقت انسانیت کو درپیش ہے، اسلام اس کا سخت ترین مخالف ہے، وہ انسان کو حیوان نہین رکھنا چاہتا، خالق کائنات کا تصور انسانیت کی سب سے اعلیٰ قدر ہے، اور اس کے تحت مین وہ تمام کائنات کی زندگی کو منظم کرنا چاہتا ہے۔ اشتراکیت اور لادینیت کے طبعی لزوم پر ہم نے اب تک جو کچھ لکھا ہے، وہ صرف مارکس کے مادی فلسفہ کی بنیاد پر ہے، گو یہ تشریح اپنی جگہ پر قطعی ہے، اور اس مین کسی شک و شبہ کی گنجائش نہین، تاہم عام ناظرین کے مزید اطمینان اور واقفیت کیلیے مشہور اشتراکی مفکر کامریڈ ام ان رائے (جن کی ایک کتاب کا ذکر ابھی آچکا ہے) کے ایک مضمون کا اقتباس ذیل مین درج کرتے ہین:-

"سوشلزم کا فلسفہ مادیت ہے، جو مذہب کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ اور خدا کو تسلیم نہین کرتی، دوسرے لفظون مین زندگی اور مخلوقات کے مذہبی نظریہ کی تردید

کرتی ہے، سوشلزم اور مارکس کی تعلیمات کا بنیادی جزو جدلی مادیت (Dialectical Materialism) ہے،...... پہلے فلسفہ کے ذریعہ دنیا کی تشریح کیجاتی تھی مستقبل میں اس کا منصب بدل جائے گا، اب یہ دکھانے کی کوشش کیجائے گی کہ انسان کس طرح دنیا کی دوبارہ تعمیر کر سکتا ہے؟...... اس کے یہ معنی ہوے کہ مارکس کے فلسفہ میں انسان کسی قدرتی طاقت کے ہاتھ میں آلہ کار نہیں ہے انسان اس دنیا کا جس میں وہ رہتا ہے خالق ہے، انسان سوسائٹی کا خالق ہے۔"

یہ ایک طویل خطبہ کے اقتباسات ہیں جو اُن کے اخبار انڈی پنڈنٹ انڈیا (Independent India) میں شائع ہوا تھا بحث کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

"بہرحال ایک شخصی خدا (Personal God) کا عقیدہ ہو، یا عبادت کی تاثیر کا یا عالم کا مذہبی تصور ہو،........... یہ بالکل واضح ہے کہ ان تصورات میں سے کوئی بھی کسی طرح مارکسی نظریہ حیات اور انسانی جدوجہد سے میل نہیں کھا سکتا" (انڈی پنڈنٹ انڈیا: ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء)

کیا اس کے بعد بھی کسی تاویل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے،

(۶)

مارکسی اشتراکیت کی تاریخ

(الف) روسی انقلاب سے پہلے :-

اشتراکیت اور مذہب پر مزید گفتگو سے پہلے مارکسی اشتراکیت کی تاریخ پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے تاکہ اشتراکی فلسفہ کے علم کے ساتھ ساتھ تاریخی سرگذشت

بھی نظروں کے سامنے رہے،

یوں تو مارکس اور اس کے رفیق اینجلز کا اشتراکیون کی خفیہ جماعتوں سے عرصہ سے تعلق تھا، اور ان پر یہ برابر اثر انداز ہو رہے تھے تاآنکہ ۱۸۴۸ء میں مارکس کا مرتب کیا ہوا اشتمالی منشور (Communist manifesto) شائع ہوا، جو آج تک اشتمالیوں کا لائحۂ عمل بنا ہوا ہے، ۱۸۴۹ء سے مارکس نے لندن میں مستقل سکونت اختیار کر لی لیکن وہ اپنی تحریروں سے برابر مختلف ملکوں کے اشتراکیوں کو عمل اور جد وجہد کی دعوت دیتا رہا، تاآنکہ ۱۸۶۴ء میں مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن قائم ہوئی، جو ان کی اصطلاح میں پہلی بین الاقوامی (First International) کے نام سے مشہور ہے، یہ انجمن بارہ برس قائم رہی، اس دوران میں اوس نے بہت کچھ کام کیا، اور مختلف ملکوں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں، اور اس طرح پر دنیا کے مزدور ایک رشتہ میں منسلک ہونے لگے، یا ہو گئے، ۱۸۷۶ء میں مختلف اسباب کے ماتحت یہ پہلی بین الاقوامیہ خود اس کے کارکنوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی، اس وقت تک مارکس زندہ تھا، اور پہلی بین الاقوامیہ کی تمام سرگرمیوں میں اس کا عمل دخل رہا، اس کے مرنے کے بعد (۱۸۸۳ء) اینجلز جماعت کا مقتدا سمجھا جاتا رہا،

۱۸۸۹ء میں دوسری بین الاقوامی انجمن قائم ہوئی، جو دوسری بین الاقوامیہ (Second International) کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ دوسری بین الاقوامیہ کمزور تھی، مختلف شاخوں پر مرکز کا اثر بہت کم تھا، گویہ بین الاقوامی برائے نام تھی،

---

۱ ۱۸۴۸ء سے پہلے اشتراکی (Socialists) کہلاتے تھے، اینجلز کی روایت کے مطابق لفظ اشتمالی (Communists) خاص کر اس لئے پسند کیا گیا کہ اسے اس عہد کی رائج سوشلزم سے الگ کیا جا سکے

۲ بین الاقوامیہ

تاہم جنگ عظیم تک اس کا وجود باقی رہا، جنگ عظیم کے دوران مین مختلف ملکون کے اشتراکی اپنے اصول سے منحرف ہوگئے[1] کسی نے قومی وزارت قبول کی، کوئی قومی حکومتون کی طرف سے لڑائی مین جی کھول کر شریک ہوا، نتیجہ یہ ہوا، کہ مزدورون کی بین الاقوامی حیثیت عارضی طور پر ختم ہوگئی۔ — یہ تو عملی دنیا کا حال تھا، جہان تک اشتراکیت کی علمی تفسیر کا تعلق ہے اینجلز (ف ۱۸۹۵ء) کے بعد کارل کاٹسکی (Karl Kautsky) مارکسی اشتراکیت کا سب سے بڑا شارح اور مفسر تسلیم کیا جاتا تھا، اس کی یہ حیثیت بڑی لڑائی تک قائم رہی ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد تحریک کی مرکزیت روس کو منتقل ہوگئی، اور وہین مارچ ۱۹۱۹ء مین تیسری بین الاقوامی انجمن (Third International) کی داغ بیل ڈالی گئی، جو "کمیونسٹ انٹرنیشنل" کے نام سے بھی مشہور ہے، اور جو چند مہینے پہلے تک دنیا بھر کے اشتمالیون کی واحد قبلہ گاہ رہی، گو ایسے اشتراکی اب بھی دنیا کے مختلف حصون مین بڑی تعداد میں موجود رہے، جو اپنے کو مارکس کا سچا پیرو سمجھتے ہوئے بھی، تیسری بین الاقوامی سے اختلاف رکھتے تھے، اور رکھتے ہین، انھی مین ہندوستان کی کانگریس سوشلسٹ پارٹی بھی ہے، ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ روس کے اشتمالی مارکس کی اصلی تعلیم سے ہٹ گئے ہین،

تیسری بین الاقوامی سے اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۹ء کے بعد اشتراکیون کی تین

---

[1] ہم نے ابھی طبقاتی تصادم کے سلسلہ مین بیان کیا ہو کہ وقت پر مزدور طبقے بھی طبقہ واری مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیتے رہے ہیں، یہ اسی کی طرف اشارہ ہے، پچھلی بڑی لڑائی کے موقع پر تمام ملکون کے اشتراکیون نے اپنی اپنی قومی حکومتون کا ساتھ دیا، اور سامراجی لڑائی کیلئے اپنی جانین قربان کین،

تین بین الاقوامیاں بیک وقت قائم تھین،

(الف) دایان بازو (Right) دوسری بین الاقوامی کا انتہائی صلح کل طبقہ (جنیوا)

(ب) مرکز (Centre) اشتراکی جماعتون کی بین الاقوامی یونین (Inter-national union of Socialist parties -) (وائنا)

(ج) بایان بازو (Left) کمیونسٹ انٹرنیشنل (Communist-International -) (ماسکو) یہ تیسری جماعت یعنی ماسکو کی اشتمالی بین الاقوامی تشدد پر خاص عقیدہ رکھتی تھی، اسے عام طور پر مخفف کرکے کومنترن (Cominterin) بھی کہا جاتا ہے،

(ب) روسی انقلاب اور اس کے بعد!

اشتمالیت (کمیونزم) یا مارکسی اشتراکیت کو بالشوزم (Bolshevism) بھی کہتے ہین، یہ نام روس مین پڑا، روسی اشتراکیت مارکس کی تعلیمات کے عملی جامہ پہنانے کی پہلی کوشش ہی، یہ کوشش روسی انقلاب (۱۹۱۷ء) کے بعد برگ وبار لاسکی لیکن اس انقلاب کے لئے زمین عرصہ دراز سے تیار کی جارہی تھی،

مارکس کی کتاب "سرمایہ" (Das Kapital) کا روسی ترجمہ ۱۸۶۲ء مین ہوچکا تھا، اور اسی زمانہ مین روس کے اہل فکر، مزدورون کے فلاح وبہبود کی طرف توجہ کرنے لگے تھے، ۱۸۹۸ء مین باضابطہ طور پر ایک پارٹی بھی بن گئی، جو زار کے انسانیت سوز مظالم کو مٹا کر اشتراکی نظام قائم کرنا چاہتی تھی، اس پارٹی کا نام جمہوری اشتراکی پارٹی (Social-Democratic party -) تھا، ابھی اس انجمن کے قیام کو زیادہ عرصہ بھی نہین ہونے پایا تھا، کہ پارٹی کی دوسری کانگریس (منعقدہ برسلیز ۱۹۰۳ء) مین آپس مین طریق کار

سخت اختلاف ہوا، اور پارٹی کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک جماعت جو انقلاب اور خونریزی سے گھبراتی تھی، اقلیت میں تھی، اس لئے منشویک (Menshevik) یعنی اقلیت کہلائی، اور دوسری جماعت جو انقلاب اور خونریزی کے حق میں تھی، اور خالص مرکزی عسکری پارٹی کی حامی تھی، اکثریت میں تھی، اس لئے بالشویک (Bolshevik) یعنی اکثریت والی پارٹی کہلائی، یہ دوسری جماعت بہت جلد روسی مارکسیون کی اکثریت کی نمائندہ ہو گئی، اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کے بعد یہی بالشویک پارٹی برسر اقتدار آئی، لینن (Lenin) آغاز سے اس جماعت کا لیڈر تھا، اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک جماعت پر حاوی رہا، انقلاب کے بعد ٹراٹسکی (Trotsky) اس کا دست راست بن گیا، اور ۱۹۲۴ء تک اس کی حیثیت لینن کے بعد دوسرے درجہ پر تسلیم کی جاتی تھی، لینن کی موت کے بعد اسٹالن (Stalin) حاوی ہو گیا، اس وقت تک یہ روس کی اشتراکی حکومت کا ڈکٹیٹر ہے،

روسی انقلاب اور اس سلسلے میں انسانی جان و مال کی جو قربانیاں ہوئی ہیں، ان کی تفصیل ہمارا موضوع سخن نہیں، صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہو گا، کہ روس کے اشتراکی جہان مارکس کی معاشی تعلیمات سے منحرف ہوئے ہیں، وہاں وہ تشدد کے بارے میں بھی اپنے پیشوا کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں،

تیسری بین الاقوامی والوں یعنی روسی اشتمالیوں کا سارا زور تشدد پر ہے، وہ سرمایہ داروں اور ان کے معاشی نظام کی ہمیشہ مخالفت کریں گے، ان کی ساری زندگی اسی میں صرف ہو گی،" (Coker صفحہ ۱۲۴)

اس میں شک نہیں کہ مارکس کی تعلیمات کے مطابق بھی اشتراکیت کسی سماجی نظریہ

کے ساتھ میل نہین کھا سکتی، اس لئے مزدورون کو طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے جب تک کہ وہ سرمایہ داری کی بنیاد کی آخری اینٹ نہ ہلا دین،

تیسری بین الاقوامی کی غلطی یہ ہے کہ وہ معاشی انقلاب سے زیادہ تشدد پر زور دیتی ہے گویا تشدد اپنی جگہ پر خود کوئی مقصد ہے، روس کے نئے حکمرانون کو بارہا سرمایہ داری کے ساتھ بھی جا بیجا رعایتین کرنا پڑی ہین، تیسری بین الاقوامی (قائم شدہ ۱۹۱۹ء) جو روسی اشتمالیون کی جد وجہد سے قائم ہوئی تھی، مارکس کی تعلیم سے نمایان طور پر ہٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، تیسری بین الاقوامی گو دنیا کے مزدورون کی انجمن ہے، لیکن روس کی اشتمالی پارٹی اس پر کچھ اس طرح حاوی[1] ہو گئی تھی، کہ کمیونسٹ (اشتمالی) پارٹی، اور تیسری بین الاقوامی دونون ایک ہو کر رہ گئی تھین، اور یہی وجہ ہے کہ تیسری بین الاقوامی کے ٹوٹنے کا روس یا باہر کی سیاسیات پر کوئی خاص اثر نہین پڑا، بین الاقوامی تو معطل تھی ہی، اب اس کا اعتراف کر لیا گیا، ایک مشہور ہندوستانی[2] اخبار نویس کی زبان مین یہ ایک غیر قانونی اور غلط عمل درآمد (de facto phenomenon) کا باضابطہ اور قانونی (de jure) اعتراف ہے،

---

[1] لینن (وفات ۱۹۲۴ء) کے زمانے مین تیسری بین الاقوامی ایک زندہ اور فعال قوت تھی، روس کے نظم ونسق کے سلسلے مین جو بھی پالیسی ہوتی، کومنترن (تیسری بین الاقوامی) سے اس کے متعلق ضرور استصواب کیا جاتا، کومنترن مین ہر ملک اور ہر قوم کے اشتراکی شریک تھے، اور یہ صحیح معنون مین ایک بین الاقوامی جماعت تھی، لیکن اس مین روسیون کا بہرحال غلبہ تھا، اسٹالن کی نئی قومی پالیسی شروع ہوئی، تو کومنترن کا زور کم ہوتا گیا، اور رفتہ رفتہ اس کی عملی حیثیت ختم ہو گئی۔

[2] توشرکانتی گھوش، ایڈیٹر امرت بازار پتر کا، کلکتہ،

ہم نے ابھی کہا ہے، کہ روسی اشتراکیون کو تجربے کے میدان مین آنے کے بعد سرمایہ دارون اور کسانون کے ساتھ کافی رعایتین کرنا پڑی ہین، اس لئے پارٹی کے بعض سرگرم کارکنون کو موجودہ ارباب بست وکشاد سے اختلاف ہوا، اور اس اختلاف رائے کی انھین سزا بھی بھگتنا پڑی، آزادی فکر کے یہ روسی نقیب دوسرون کے لئے آزادی فکر کے قائل نہیں، اور تو اور خود پارٹی کا سب سے سرگرم لیڈر (لینن کے بعد) ٹراٹسکی اس جبر و استبداد کا شکار ہوا، ٹراٹسکی بڑے کسانون کے ساتھ مراعات کا مخالف تھا، وہ خوش حال کسانون کو مشترک کھیتون (Collective Farms) مین شامل ہونے پر مجبور کرنا چاہتا تھا، اس کی یہ ادا اوس کے دوستون کو پسند نہ آئی، اس کے علاوہ ایک بڑا (بلکہ سب سے اہم) سبب یہ بھی ہوا، کہ اسٹالن اور اس کا جرگہ دن بدن بین الاقوامیت سے قومیت[1] کی طرف آرہا تھا، ٹراٹسکی نے اس پر بھی اعتراض کیا، اس کا خیال تھا کہ اگر کمیونسٹ پارٹی کو اپنے مقصد پر قائم رہنا ہے، تو اُسے دوسرے ملکون مین انقلابی

[1] آج سے دس پندرہ سال پہلے اسٹالن اور اوس کے جرگے نے "قومیت" کی طرف جو قدم اٹھایا تھا، آج اس کی تکمیل ہو چکی ہے، اور آج روس کی اشتراکی مملکت کا یہ غیر اشتراکی رویہ انصاف پسند اشتراکیون کی نگاہون مین بھی کھٹکنے لگا ہے، ابھی ہمارے ملک کے مشہور اشتراکی ام آر مسانی (M. R. Masani) نے "جو کل ہند کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری بھی رہ چکے ہین" ۱۳ جنوری سنہ ۴۴ء کو مدراس مین روس کی بدلتی ہوئی صورت حال پر تقریر کرتے ہوئے کہا :-

"اسٹالن کا یہ کہنا کہ روس اور پولینڈ کا معاملہ ایک نجی معاملہ ہے جس مین امریکہ کو دخل دینے کی ضرورت نہین"، بالکل ویسا ہی ہے جیسے ہماری سرکار (برطانیہ) کہا کرتی ہے کہ برطانیہ اور ہندوستان کا مسئلہ

پروپگنڈا جاری رکھنا چاہیئے، جہاں تک مارکس کی تعلیم اور اشتراکیت کے نصب العین کا تعلق ہے، ٹراٹسکی یقینی حق پر تھا، لیکن اسٹالن اور اس کے حواری اتنا اختلاف بھی برداشت نہ کر سکے، اور پہلے ٹراٹسکی کو پارٹی کی مجلس حل وعقد سے نکالا گیا، اور پھر ۱۹۲۸ء مین روس سے جلا وطن کر دیا گیا، تاآنکہ چند سال ہوئے جلا وطنی مین اُس کی موت بھی ہوئی، اس سلسلے مین کتنون کو پھانسی دی گئی، اور کتنے جلا وطن کئے گئے، ان کی تعداد گننا ہماری بس سے باہر ہے[۱]

(۷)

مذہب اور اشتراکیت

"اشتراکیت اور لا مذہبیت" کے لزوم کے متعلق اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے جواب مین یہ کہا جاتا ہے، کہ ممکن ہے اشتراکیت کے مادی فلسفہ اور لا مذہبیت مین لزوم ہو لیکن اشتراکیون کا رویہ مذہب کے ساتھ مخالفانہ نہین، صرف اتنی بات ہے کہ وہ مذہب اور مذہبیات کی طرف سے لاپروا (Indifferent) ہین،

لیکن افسوس کہ واقعہ یہ نہین، اشتراکیون کو مذہب سے بیر ہے، اور جہان کہین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) ایک نجی مسئلہ ہے،

مسٹر مسانی نے تقریر کے دوران مین یہ بھی کہا کہ

"روس اشتراکیت کی راہ سے برابر منحرف ہوتا جارہا ہے،" (ملخص از امرت بازار پتریکا ۲ جنوری ۱۹۴۴ء)

[۱] مشہور امریکی اہل قلم لوئی فیشر (Louis Fischer) نے اپنی کتاب (Men and Politics) مین ان مظالم کا کچا چٹھا بیان کر دیا ہے، اس کے دو باب "Stalin's" اور "Lenin's Russia" (روس لینن اور اسٹالن کے عہد مین) الگ پمفلٹ کی صورت مین بھی چھپ گئے ہین،

انھین موقع مل سکا ہے، اس کی بیخ کنی مین انھون نے اپنی سی کسر نہین اٹھا رکھی، ایک مستند غیر مسلم مبصر کی کتاب کے مندرجۂ ذیل اقتباسات سے یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی،

"ظاہر مین ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اشتمالیون کو صرف معاشی معاملات سے دلچسپی ہے لیکن معاشی اور دوسرے اہم مصالح کی وجہ سے وہ شہریون کی تمدنی اور ذہنی زندگی سے پوری دلچسپی رکھتے ہین، وہ مذہب پر بھی پوری نگاہ رکھتے ہین، اس لئے کہ ان کی سمجھ کے مطابق اشتمالیت مذہب کے ساتھ نہین چل سکتی، وہ اسے اپنے پروگرام کی راہ مین ایک رکاوٹ (obstacle) خیال کرتے ہین، اپنے طور پر تو وہ تمام مذاہب کے ترک کا عہد کر ہی چکے ہین، وہ دوسرون کے مذہبی عقائد کا بھی قلع قمع کر دینا چاہتے ہین، اشتمالیت کے ارکان دہریت کی قسم کھا بیٹھے ہین" (نئی سیاسی فکر[1] ص ۸۰، ملخص)

"اشتمالی ارباب بست وکشاد مذہب کے کھلے دشمن ہین، حکومت اسکولون مین مذہبی تعلیم کی اجازت نہین دیتی، مذہبی مطبوعات کی اشاعت پر پابندیان عائد کر دی ہین، ......اخبارون رسالون، عام جلسون اور متحرک تصویرون کے ذریعہ مذہب کے خلاف پروپگنڈے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، (ص ۱۷۹)

اس "لامذہبیت" کے ساتھ ساتھ روس کے اشتراکی جس طرح سے لینن کے بت پر عقیدت واحترام کے پھول نچھاور کرتے ہین، اس سے کچھ خوش فہمون کو یہ وہم ہوا کہ شاید اس طرح پر ان مین مذہبیت آرہی ہے، اس خوش فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے بھی امریکی مصنف لکھتا ہے :-

بعض نقادون کے خیال مین روسی اشتمالیت اپنے ان تمام لامذہبی اعترافات

---

[1] Coker از "Recent political Thought"

اور اعمال کے باوجود ایک طور پر اپنے موجودہ طرز عمل سے مذہبی ہوتی جا رہی ہے'
وہ کہتے ہیں کہ وہاں سرکاری اور قومی دونوں طریقوں پر لینن کی پرستش
(Apotheosis) ہو رہی ہے، سینکڑوں اس کی قبر کی روزانہ زیارت کرتے
ہیں، اس کے بت عام جگہوں میں نصب کئے جاتے ہیں، اس کی تصویر کارخانوں میں
خاص احترام کی جگہ رکھی جاتی ہے، سٹرکیں، ریلوے اسٹیشن اور ہر قسم کی انجمنیں اس
کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں،...... (ص ۱۷۹)

اشتمالیوں کے یہ طریقے اور سرگرمیاں، بہر حال ان کی دہریت (Atheism)
کے خلاف نہیں، الایہ کہ کسی بعید مقصد کے لئے قربانیوں اور فداکارانہ جنون طرازیوں
کو مذہبی اپج اور اقدام کے مرادف قرار دیا جائے' اشتمالی ہمیشہ انہی مقاصد کیلئے
کام کرتے ہیں، جو اسی دنیا میں حاصل کئے جا سکیں، کسی فوق البشری طاقت
کے مکمل انکار کا جذبہ ایسا ہے، جس کی بنا پر اشتمالی خاص طور پر مذہب کے مخالف
(Anti-Religious) کہے جا سکتے ہیں، (ص ۱۸۰)

عام اشتمالیوں کی مذہب سے مخالفت کی توجیہ و تحلیل، یہ امریکی مبصر اس طرح کرتا ہے:-

"اشتراکیوں کے خیال میں مذہب عام طور پر انسان کو قسمت پر قناعت اور موجودہ
طاقتوں کی اطاعت کی تعلیم دیتا ہے، یا پھر ان دنیاوی مشکلوں کی محض سلبی مقاومت
کی تائید کرتا ہے، اس لئے جیسا کہ مارکس کہہ چکا ہے، مذہب مخلوق کے لئے افیون
ہے، جو ان کی بےچینی کو مختلف طریقوں سے دبانے کی کوشش کرتا ہے، یا تو وہ
مظالم کے دفعیہ کے لئے کسی غیبی طاقت سے اپیل کرنے کی تعلیم دیتا ہے، یا پھر وہ
مصیبت زدوں کو متصوفانہ تعلیم کے ذریعہ قناعت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے'

اشتمالی یہ اپنا فرض خیال کرتے ہین کہ مظلومون کو ان توہم پرستیون مین نہ پڑنے دین[1]۔"

(ص ۱۸۱ ملخص)

اس امریکی مبصر نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنے مطالعہ اور وسعتِ نظر کی مدد سے، آپ آیئے ایک دوسرے مشہور امریکی اہلِ قلم لوئی فیشر (Louis Fischer) کے چشم دید تاثرات بھی ملاحظہ کر لیجیے:-

"بالشویک مذہب کے دشمن اور کلیسا کے مخالف ہین، روس کے مذہبی لیڈر یہ اچھی طرح سمجھتے ہین کہ بالشوزم مین ان کے لئے کوئی بھلائی نہین، بالشویک تمام مذہبون کو ایک خلافِ عقل اور بے وقت کی چیز شمار کرتے ہین، ان کے نصب العین کی ایک تصویری تمثیل یون دیکھنے مین آئی، کہ ایک تنومند مزدور ہاتھ مین ہتھوڑا لئے گرجون، دیرون اور مسجدون کو منہدم کرکے آسمان کا رُخ کئے ہوئے ایک زینے پر چڑھ رہا ہے، اور

[1] یہ ذہن نشین رہے کہ دراصل یہ باتین تو اشتراکی مذہب کی مخالفت کے لئے بہانے کے طور پر پیش کرتے ہین ان کی مخالفتِ مذہب کا اصل سبب یہ ہے کہ مذہب لازماً ایک اخلاقی ضابطہ کی پابندی پر زور دیتا ہے اور معاشرہ مین انسانون کے کچھ حقوق معین کرتا ہے، جس پر دست درازی وہ کسی حال مین جائز نہین رکھتا بخلاف اس کے اشتراکی اپنے نظامِ معیشت و تمدن کو قائم کرنے کی سعی مین کسی اخلاقی بندش کو توڑنے اور کسی حق کو پامال کرنے مین تامل نہیں کرتے، مزید بران اشتراکیون کی نگاہ مین مذہب اوس معاشی و سماجی نظام کی پیداوار تھا، اور اس کی پشت پناہ کا کام دے رہا تھا، جسے وہ مٹانا چاہتے ہین، لہٰذا اس نظام کے ساتھ مذہب کو بھی مٹ جانا چاہیے، اب سماج مین اگر کوئی مذہب برقرار رہ سکتا ہے تو وہ صرف وہی ہے جو اشتراکی نظام سے موافقت کرے جسے اشتراکی نظام حق کہے اوسے مذہب بھی حق کہے اور جسے وہ باطل کہے اوسے مذہب بھی باطل قرار دے ظاہر ہے کہ کوئی مذہب یہ پوزیشن قبول نہین کرسکتا، اس لئے مذہب سے اشتراکیون کی لڑائی ہے۔

وہاں ایک سیاہ آتشیں دیو اس مزدور کو آتا ہوا دیکھ کر سہما جا رہا ہے[۱]

سوویٹ علاقے میں بیسیوں مذہبی ادارے بند ہو چکے ہیں، اور بہتیرے ابھی باقی ہیں، سرکاری طور پر مذہبی عبادت کی اجازت ہے، مگر اس کی ادائی میں سخت سماجی دشواریاں ہیں، بخارین (Bakharin) اور Preola

A.B.C. Communism نے [۲] -zaghenoky

میں صاف طور پر لکھا ہے، کہ "عوام کی مذہبی رجعت پسندی کے خلاف ہم نہایت صبر اور سوجھ بوجھ کے ساتھ چلانا چاہیے، ہر بات پر ایمان لانے والے بڑے ذکی الحس ہوتے ہیں،...... مسخرہ پن اور استہزار سے مذہب شکن ہم کو نقصان پہونچ جائے گا"[۳]

بایں ہمہ صبر پر استہزار کا غلبہ رہا، اور ہر مذہبی تقریب کے موقع پر مخالفوں کی طرف سے مسخرہ پن کی نمایش ضرور ہوتی، (ص ۲۹)

---

[۱] Lenins Russia ص ۲۹۔ ص ۲۵ [۲] "اشتمالیت کی ابجد" مشہور کتاب ہے،

[۳] تیسری بین الاقوامی کی چھٹی عالمگیر کانفرنس (۱۹۲۸ء) میں اسی نہج پر یہ پروگرام مرتب ہو کر پاس ہوا تھا، "مذہب (یعنی خلقت کی افیون) کے خلاف جہاد کرنا تہذیبی انقلاب کا اہم حصہ ہے، یہ ہم مسلسل اور مرتب طور پر جاری رکھنا چاہیے"، (Religion : viii)

اس طرح اس سے بہت پہلے روس کی اشتمالی پارٹی کے پروگرام (مرتبہ ۱۹۱۹ء: زیر عنوان "عام سیاسی اور معاشی مسئلے"، دفعہ ۱۳) میں بھی یہ ہدایت دی گئی تھی:-

"ساتھ ساتھ ہمیں معتقدین کے مذہبی جذبات کو گزند پہنچانے سے بچنا چاہیے کہ اس سے مذہبی وحشت میں اور زیادتی ہی ہوتی ہے"۔

یہی امریکی اہل قلم کرئمس ڈسے سنہ ۱۹۲۷ء کے ایک جلوس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

"میں نے دیکھا کہ نوجوان اشتمالی مذہبی آئین (common religious ceremonies) کو بگاڑتے ہوئے کراسکو کی سڑکوں پر گاتے پھرتے ہیں ایک نوجوان اشتمالی ایک گاڑی پر کھڑا چیخ رہا تھا خدا (دوا) کوئی چیز نہیں، اور اگر ہے تو مجھے سزا کیوں نہیں دیتا جس جس راستہ سے وہ گذرتا عورتیں اس کے احترام (؟) میں صلیب کا نشان بناتیں .... شام کو تمام مذہبوں کے خداؤں کے فرضی تابوت ریلوے اسٹیشن کے قریب نذر آتش کیے گئے۔ (ایک طرف یہ ہولی کھیلی جا رہی تھی) اور دوسری طرف مختلف جوڑے رقص و سرود میں مصروف تھے۔" (صفحہ ۳۰)

یہ حصہ طویل ہوتا جا رہا ہے، مگر ذرا ضبط سے کام لے کر اشتراکیت کے اقانیم ثلثہ (مارکس، اینجلز، لینن) کے ارشادات پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجیے، مارکس کے فلسفے کی تشریح تو اوپر گذر چکی ہے، اینجلز اسکی صدائے بازگشت ہے، لینن بھی انہی دونوں کا پیرو ہے مگر یہ پہلا شخص ہے جس نے اشتمالیت کو روس میں عملی جامہ پہنایا، اور اس سلسلے میں مارکس کی تعلیم میں اس نے جزوی ترمیم بھی کی، اس حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے اور دنیا کا ہر اشتراکی اس کی پیروی کا دم بھرتا ہے۔[1] حسن اتفاق سے اس وقت ہمارے سامنے

---

[1] روس کے اس نئے مذہب (اشتمالیت یا اشتراکیت) کے معتقدات (معبودان باطل) کی ایک صاحب نظر نے اس طرح توجیہ و تقسیم کی ہے:-

مارکس خدا، لینن پیغمبر "Das Kapital" الکتاب اور روٹی کلمہ ——

(نعیم صدیقی؛ ترجمان القرآن ذی قعدہ و ذی الحجہ سنہ ۶۲ھ)

اس میں اگر اینجلز کو روح القدس کی حیثیت دیدی جائے تو مارکس اور لینن کے درمیان اس کا مقام بھی متعین ہو جاتا ہے۔

لینن کے مضامین وخطبات کا ایک مجموعہ ہے[1] جس مین صرف مذہب سے متعلق اس کی تحریرین اور خطبے جمع کیے گئے ہین، اور ان خطبون اور تحریرون مین ان تینون کے اقوال اور نظریے آگئے ہین، اس لئے نامناسب نہ ہوگا اگر اس مجموعہ سے کچھ اقتباسات یہان پیش کر دیئے جائین۔

"مذہب کی تنقید سب تنقیدون کی جڑ ہے۔ (مارکس: صفحہ)

"یورپ کی مزدور پارٹیون مین دہریت ایک جانی بوجھی ہوئی حقیقت کی حیثیت رکھتی ہو"

(اینجلز: ")

"مارکسیت مادیت کا دوسرا نام ہے، اور اس لئے یہ مذہب کی ویسی ہی سخت دشمن ہو جیسی اٹھارہوین صدی کی عام مادیت یا فیورباخ[2] کی مادیت تھی، اس مین کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہین، لیکن مارکس اور اینجلز کی جدلی مادیت، فیورباخ اور اٹھارہوین صدی کے دوسرے مادہ پرستون سے آگے جاتی ہے، یہ مادی فلسفہ کو تاریخ اور عمرانیات پر استعمال کرتی ہے۔ مذہب کا قلع قمع کرنا مادیت اور مارکسیت کی ابجد ہے، لیکن مارکسیت کی منزل یہین ختم نہین ہو جاتی، مارکسیت بہت آگے جاتی ہے، اس کا کہنا یہ ہے، ہمین صرف مذہب کے قلع قمع کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہے اور اس کے لئے مادی نقطۂ نظر سے اس بات کی تشریح کی ضرورت ہے، کہ مذہب اور ایمان عوام مین کیون مقبول و رائج ہین[3]۔"

"پرولتاری سوشلسٹ پارٹی کے لئے مذہب خانگی معاملہ کی حیثیت نہین رکھتا ہمارے

---

[1] Religion از V. I. Lenin شائع کردہ برمن پبلشنگ ہاؤس، ہریسن روڈ کلکتہ

[2] فیورباخ (Feuer Bach): ۱۸۰۴ء تا ۱۸۷۲ء: ایک جرمن فلسفی جو پہلے ہیگل کا پیرو تھا، بعد کو مادہ پرست ہوگیا

[3] Lenin (صفحہ ۲۳)

پارٹی طبقہ داری شعور رکھتی اور مزدوروں کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہے، ایسی جماعت مذہبی اعتقادات کی پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی، اور نہ اسے غفلت برتنا چاہئے مملکت سے کلیسا کی کامل علحدگی کا مطالبہ ہم اسی لئے کرتے ہیں، کہ خالص عقلی ہتھیاروں (صحافت تبلیغ) سے کام لیکر مذہب کا ہوا دور کیا جا سکے، ہماری پارٹی کا ایک بنیادی مقصد مزدور کی مذہبی فریب خوردگی کا دور کرنا بھی ہے۔[۵] (ص ۵)

"مذہب ان روحانی مصیبتوں کی ایک قسم ہے، جو دوسروں کے آرام کی خاطر محنت مزدوری کرنے والے فاقہ کش غریبوں پر چھائی رہتی ہے۔ مظلوم جب ظالم کے خلاف جدوجہد میں ناکامی کا منہ دیکھتا ہے، تو خواہ مخواہ اس کے دل و دماغ میں موت کے بعد ایک دوسری زندگی کا تخیل نشو و نما پانے لگتا ہے .... مذہب ان تمام غریبوں اور محنت کش طبقوں کو جو اس دنیا میں تکلیف کی زندگی بسر کرتے ہیں، قناعت اور صبر کی تعلیم دیتا ہے، اور جنت میں انعام و اکرام کے وعدے دلا دلا کر ان کی تسکین و تسلی کرنا چاہتا ہے، ہے وہ جو دوسروں کی محنت پر گل چھرے اڑاتے ہیں، تو انھیں یہ مذہب سخاوت اور خیرات کی تلقین کرتا ہے، اس طرح پر ظلم و تعدی کے جواز کی ایک صورت نکل آتی ہے، اور ساتھ ساتھ جنت کا ٹکٹ بھی مل جاتا ہے" (ص ۱۲)

"خوف نے خدا کو پیدا کیا، سرمایہ کی اندھی قوت کا خوف، اندھی اس لئے کہ

---

[۵] اسی مقصد کے پیش نظر روس میں مخالف الوہیت سوسائٹی (Godless) کا قیام عمل میں آیا، (۱۹۲۳ء) عبادت کی آزادی تو سب جماعتوں کو حاصل تھی، مگر پروپگنڈا کا حق صرف اسی سوسائٹی کو حاصل تھا، ۱۹۳۲ء میں اس انجمن کے ممبروں کی تعداد پچاس لاکھ تک پہنچ گئی تھی (انڈین سوشلجسٹ (The Indian Sociologist) بابت ماہ اپریل ۱۹۳۳ء: ص ۳۰)

اس کا عمل عوام کی نگاہوں سے مخفی ہے، ایسی قوت جو مزدوروں اور چھوٹے تاجروں
کے لئے ہر قدم پر ناگہانی اور غیر متوقع تباہی کا سبب بن کر ان کے سروں پر گداگری
فاقہ کشی اور عصمت فروشی تک کی لعنت مسلط کر سکتی ہے، ـــ یہ ہے موجودہ مذہب
کی بنیاد، جسے ہر مادہ پرست کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اگر وہ مادہ پرستی کی ابجد خوانی
سے آگے بڑھنا چاہتا ہے، (رص ۲۴)

نظر انتخاب جا بجا مجروح ہوتی ہے، پورے اسّی صفحوں کا رسالہ اسی قسم کی گل افشانیوں
سے پُر ہے، جن لوگوں کو مذہب عزیز ہے، اور وہ اسلام کو ایک سربلند اور عالمگیر طاقت
(world force) کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں، انھیں ان چیزوں پر
نظر رکھنا چاہئے، اندازہ لگانے کے لئے اوپر کے نمونے کافی ہوں گے،

(۸)

اسلام اور اشتمالیت (Communism)

مذہب کے متعلق عام اشتراکیوں اور روسی اشتمالیوں کے رویہ پر تو روشنی ڈالی
جا چکی، لیکن خاص اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہ کس طرح پیش آئے، اس کا تذکرہ بھی
ضروری ہے، ایک جہاندیدہ مسلمان معاصر کے بیان کے مطابق:۔

"سوویٹ روس نے اسلام کے مقابلے میں دورُخی پالیسی اختیار کی، باکو کانگریس[۱] (۱۹۲۰ء)
کے فیصلے کے مطابق انھوں نے مشرقی دنیا میں اپنے کو مظلوموں کا ہمدرد اور غریبوں
کا نجات دہندہ مشہور کیا، مگر داخلی حکمت عملی اس کے خلاف تھی، اسٹالن کی تشریح

---

۱ باکو کانگریس کے لئے ملاحظہ ہو، سٹاڈر (Stoddard) کی
"The revolt against civilization" (ص ۲۱۶-۲۰۷)

(۱۹۲۱ء کی رپورٹ) اور سفارو (سفارو) کی توضیح (۱۹۲۲ء کی رپورٹ) کے مطابق اس کا مقصد مذہبی اجتماعات کو ختم، تورانیت کی تحریک کمزور کرنا اور بڑی جائدادوں کی ضبطی اور سب سے بڑھ کر مذہب اسلام کا قلع قمع کرنا تھا"۔

"گویا اشتمالیوں نے اسلام کے مقابلے میں دوہری پالیسی چلائی، باہر انھوں نے اپنے کو مغربی سامراج کے مقابلے میں مظلوم اسلام کا ہمدرد مشہور کیا، اور اپنے ملک کے اندر انھوں نے اسلام کا نام لینے والوں پر سختیاں شروع کیں، اسی لئے مخالف الوہیت تحریک اسلام کو معاف نہیں کرتی، یہ تحریک سارے روسی علاقے میں اسلام کی بیخ کنی کرنا چاہتی ہے، بیت المقدس کی موتمر اسلامی (۱۹۳۱ء) میں روسی مسلمانوں کے نمائندہ عیاض اسحاقی نے مسلمانان روس کی حالت زار پر ایک رپورٹ پڑھی تھی، اسی طرح سعید شامل (صدر مجلس دفاعی ملی، قفقاز) نے ایک دوسری رپورٹ پیش کی تھی، جس میں روس کے مسلم علاقوں میں مخالف الوہیت تحریک کی سرگرمیوں اور مسلمانوں پر بے جا سختیوں کی تفصیل دی گئی تھی"۔

(اسلام ان دی ورلڈ: از ڈاکٹر زکی علی مصری ص ۳۵۵)

اسلام کے ساتھ روس کی سویٹ حکومت کے برتاؤ کا سرسری اندازہ تو ڈاکٹر زکی علی مصری کے اسی بیان سے ہوسکتا ہے، مگر ضرورت ہے کہ تفصیلی طور پر اس پالیسی کی تشریح کی جائے، جو مسلمانان روس کو اسلام سے الگ کرنے کے سلسلے میں اختیار کی گئی،

یہ عجیب بات ہے کہ دوسرے مذاہب کے اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ روسی حکومت کا برتاؤ شروع شروع اچھا رہا، مگر یہ اس لئے نہیں کہ انھیں اسلام سے کچھ ہمدردی تھی وہ سمجھتے تھے، کہ ان حیثیتوں پر تشدد کا رد عمل برا ہوگا،

لوئی فیشر کی کتاب کا حوالہ اوپر بھی دیا گیا ہے، اس سلسلے مین وہ اپنے چشم دید تاثرات بیان کرتا ہوا لکھتا ہے :-

"دو سال کے اندر مذہب شکن جلوس رک گئے۔ گو اہلِ کلیسا پر سختی باقی رہی، اللہ کے ماننے والون (یعنی مسلمانون) کے ساتھ خاص طور پر روادارانہ برتاؤ کیا گیا، اسلیے کہ اربابِ اقتدار تشدد کے خطرناک ردِعمل سے ڈرتے تھے۔"

اور اس ظاہری روادارانہ سلوک سے مسلمانانِ روس کی فریب خوردگی کی داستان بھی سن لیجئے :-

"وفا (سائبیریا) مین تمام مسلمانانِ روس کی مذہبی کانگریس منعقد کرنے کی اجازت دی گئی (جون سنہ ۲۳ء) اور کانگریس نے لینن کو مبارکباد کی تجویز پاس کر کے بھیجی، جو بالشویک اخبارون مین شائع ہوئی تھی، تجویز مین یہ کہا گیا تھا کہ مسلمان لینن کی صحت کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہین، (لوئی فیشر کی "[illegible]" صفحہ ۳۰)"

اللہ رے سادگی! شاید کسی ایسے ہی موقع پر اقبال نے کہا ہو :-

سادگی مسلم کی دیکھ، اورون کی عیاری بھی دیکھ

اصل یہ ہے کہ روس کے مسلم علاقون خاص کر ایشیائی روس مین اشتمالیون نے لامذہبیت کی مہم بہت سوچ بوجھ کے ساتھ اور سنبھل سنبھل کر چلائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ دس برس کے عرصے مین روس مین مسلمانون کا ملی وجود حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا، شاید راقم کا بیان روس کے پرستارون یا فریب خوردہ مسلمانون کو حیرت انگیز معلوم ہو، اس لئے مناسب ہوگا کہ وہ چشم دید شاہد کی زبانی یہ دردناک کہانی سنین :-

مسٹر ام آر مسانی (جنھون نے دو مرتبہ روس کی زیارت کی ہے: ۱۹۲۷ء و ۳۶ء) جمہوریۂ آذربائیجان کے ایک ممتاز کمیونسٹ افسر سے اپنی گفتگو نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہین :-

"مین نے دریافت کیا :-

"کامریڈ، اب کچھ اپنی مخالف الوہیت تحریک کے متعلق سنائیے، مین خود بھی آزادخیال (Rationalist) ہوں، اس لئے مجھے خاص طور پر دلچسپی ہے"

جواب ملا :-

"ہم نے روس کی طرح یہان مذہب کے خلاف دھوان دھار تحریک نہین چلائی، سرمایہ داری کی طرح مذہب کو بیک جنبش قلم نہیں ختم کیا جا سکتا، ہماری پالیسی بہت محتاط رہی ہے، تو ہم پرستی کے خلاف سائنٹفک نقطۂ نگاہ پیدا کرنے کیلئے ہم نے زیادہ تر تعلیم پر اعتماد کیا، نتیجہ بہت حوصلہ افزا ہے، نوجوان بالکلیہ لامذہب ہین، اور تو اور اجتماعی مزرعون مین کام کرنے والا مسلمان کاشتکار بھی سمجھتا ہے کہ اب وہ دوسری دنیا میں آرام کی خاطر کچھ زیادہ کام کرکے ملاؤن کو نذر دینے کی مصیبت سے بچ گیا ہے[۱]، مین یہ نہین کہ سکتا کہ روسی حکمت عملی غلط تھی، وہان لوگ تبدیلی کے لئے نسبتہً زیادہ تیار تھے، اس لئے وہ زیادہ تیز جا سکے"[۲]

سوجھ بوجھ اور احتیاط کی مہم کا خاکہ تو آپ نے دیکھ لیا، اب ذرا ضبط سے کام لیکر حوصلہ افزا نتیجہ کی بھی ایک جھلک دیکھ لیجئے :-

جمہوریۂ آذربائیجان کے صدر مقام باکو کے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے مسٹر مسانی لکھتے ہین:

---

[۱] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایشیائی روس مین مذہب کے علم بردارون کا کیا حال تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا اور پیر، عوام کو نجات کی امید دلا دلا کر نذرانے خوب وصول کیا کرتے تھے،

[۲] M. R. Masani مصنفہ Soviet Sidelights

مع پیش لفظ از پنڈت جواہر لال نہرو (بمبئی: ۱۹۳۶ء)

"شہر ہی کے حدود میں ایک رقبہ "قدیم ترکی شہر" کے نام سے مشہور ہے ۔۔۔۔۔۔ اس قدیم مشرقی علاقے کی گلیوں کو نئے شہر سے کوئی نسبت ہی نہیں، جہان تیل کے چشمے ہین، اور جہان دوکانوں کا ساز و سامان ماسکو کی دوکانوں سے کسی طرح کم نہیں"[1]

"پرانے شہر مین ایک مسجد بھی ہے جس کے "ملا" سے مین نے باتین کین، اس نے کہا قریب قریب تیس چالیس مسلمان روزانہ یہان نماز پڑھنے کو آتے ہیں، اس نے اگلے دنون کو یاد کیا، جب مسجد نمازیون سے بھری رہا کرتی تھی، اب صرف بوڑھے اور وہ بھی کبھی کبھی آتے ہین، یہ نمازی عام طور پر دیہاتی باشندے ہین، اور اپنے بیٹون کے ساتھ شہر مین رہتے ہین، جو باکو مین مزدوری کرتے ہین، رہے نوجوان، تو ان کی دنیا ہی دوسری ہے، اور وہ لائق الزام بھی نہین، جب کہ کھیل، کتابخانے، سیرگاہین اور ٹریڈ یونین پارٹی کی طرف سے مطالعہ کے حلقے ــــ بیسیون چیزین ان کی دلچسپی کے لئے موجود ہین" (ص ۵۰)

اب ان "ملا صاحب" کی سادہ لوحی بھی ملاحظہ ہو :-

"مین نے دریافت کیا کہ بے پردگی پر جا راج کے دور مین جو نئی تبدیلیان ہوئی ہین ان کے متعلق بڑے بوڑھون کا کیا خیال ہے ؟

جواب ملا: مختلف لوگون کی مختلف رائین ہین، ذاتی طور پر میرا خیال یہ ہے کہ اس سے بہت کچھ فائدہ ہوا ہے، مگر مین پردہ اٹھانے کے حق مین نہین، یہ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی ہے" (ص ۵۱)

گویا "پردہ شکنی" سے زیادہ کوئی انوکھی اور نقصان رسان تبدیلی اس دور مین ہوئی ہی

[1] ص ۵۲، ملخص،

نہیں! اللہ رے سادہ لوحی اور بے خبری!! حالانکہ صورت حال اس سے بہت بدتر تھی، اور خود ملا صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے، مسافی صاحب چیپانرسے سے یہ بیان فرماتے ہیں:

"بیچارے ملا کی ساری زندگی اسی مسجد کی خدمت میں گذری ہے، یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر حسرت ناک پژمردگی چھاگئی کہ اب چند برسوں کے بعد اس مسجد میں کوئی آنے والا نہیں رہے گا، اور یہ مقفل کر دی جائے گی، یا یہیں کوئی اسکول وغیرہ قائم کر دیا جائے گا۔ تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہے گا" اوس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔۔۔ یہ ایک مٹتے ہوئے نظام کی طرف سے شکست کا اعتراف تھا،

یہ ایک زوال پذیر نظام تھا، ایسا زوال پذیر نظام جو اشتمالی انقلاب تک باقی رہا۔ ایسا سماجی نظام جس میں باکو کے ترک مزدور جہالت اور توہم پرستی میں گھرے ہوئے قلیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، اور ترک عورتیں پردہ کے اندر قیدیوں اور لونڈیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں، (ص ۵۵-۵۴)"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ روس کے باہر تو اشتمالیوں نے اپنے کو مسلمانوں کا ہمدرد ظاہر کیا، اور اپنے حدود کے اندر ان کو اپنے مذہب اور ملت سے الگ کرنے کی سرگرم مہم شروع کر دی، ۱۹۱۷ء میں انقلاب ہوا، اور سترہ سال کے بعد خالص ایشیائی علاقوں میں اسلام اور مسلمانوں کا جو حال ہو چکا تھا، اوس کا ایک سرسری اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہوگا،

وسط ایشیا کی خالص مسلم آبادی میں روس کے پنجایتی پرچار کے کارندوں نے کس طرح مسلمانوں کو ستایا، ان کے شعائر کی کیسی بے حرمتی کی، اور ان کو بدتوما بنانے (De-nationalize) کے لئے کیا کیا جتن کئے، اس کی تفصیل اس چھوٹے سے رسالے میں مشکل ہے، اس لئے ڈاکٹر زکی علی مصری کی کتاب سے ایک اور اقتباس دے کر ہم یہاں

اس سلسلے کو ختم کرتے ہین :-

اس سے اندازہ ہوگا کہ مساوات وحریت کے علم برداروں نے مسلمانان وسط ایشیا کی اسلامی حیثیت کو ختم کرنے اور انھین (Dis-integrate) کرنے کے لئے کیا کیا نہ کیا گیا ہوگا :-

"روسی ترکستان خاص طور پر بین بالشویک پروپگنڈا کا اہم مرکز ہے، مرحوم انور پاشا یہین ایک بالشویک ایجنٹ کے ہاتھ سے شہید ہوئے جب کہ وہ بالشویکون کی غداری پر ان کے خلاف سرگرم جہاد ہوئے تھے"

"تاشقند کی آبادی آج پانچ لاکھ ہے، اور سمرقند کو ملا کر یہ روسی وسط ایشیا کا معاشی اور تہذیبی مرکز ہے، یہین مشرق کے مبلغ تیار کئے جاتے ہین، ان کی اہم انجمنون اور سوسائٹیون (اشتمالی پارٹی کا مرکزی ایشیائی دفتر، وسط ایشیا کی یونین کا مرکزی اسٹیشن اور وسط ایشیا کی یونیورسٹی وغیرہ) کے دفتر بھی یہین ہین، اور یہین بالشویکون نے سمرقند کی بڑی مسجد کا منارہ منہدم کرکے اس کی جگہ لینن کا ایک پرشوکت مجسمہ نصب کر رکھا ہے جس پر یہ فقرے کندہ ہین :-

"آج کے بعد مؤذن مسلمانون کو اس منارہ سے عبادات کا بلاوا نہیں دے سکے گا، ......بلکہ لینن......" ✓

(۹)

اشتراکیت اور اخلاق

مذہب کے متعلق اشتراکیون کا رویہ واضح کر دینے کے بعد ان کے فلسفۂ اخلاق کی

ل اسلام ان ورلڈ ص ۲۶۵ ... ۳ نیز معارف جولائی ۱۹۳۶ء (دنیا مین اسلام: از مسعود عالم ندوی)

تشریح کی ضرورت نہین تھی، مگر غلط فہمیون کے سدّباب کے لئے "اشتراکیت اور اخلاق" سے متعلق بھی دو حرف عرض کر دینا شاید نامناسب نہ ہو،

آیئے پہلے ان کے فلسفۂ اخلاق کو لینن سے بہتر کون شارح مل سکتا ہے؟ سویٹ یونین کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی تیسری کل روس کانگریس (منعقدہ ۲ر اکتوبر ۱۹۲۰ء) مین اوس نے جو خطبہ دیا تھا اس کا ایک ٹکڑا ذیل مین درج کیا جاتا ہے :-

"سب سے پہلے مین اشتمالی اخلاق پر گفتگو کرونگا، تمھین اپنے کو اشتمالی بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے...... کیا دنیا میں کوئی چیز اشتمالی اخلاق (Communist Ethics) نامی بھی اپنا وجود رکھتی ہے؟ کیا کوئی اشتمالی ضابطہ اخلاق بھی وجود مین آیا ہے؟ یقینی اشتمالی ضابطہ اخلاق ہے، بعض حلقون کی طرف سے کہا جاتا ہے، کہ ہم کوئی فلسفۂ اخلاق نہین رکھتے، اور صبا اوقات بورژوا[۵] کہا کرتے ہین، کہ ہم تمام اخلاقی ضابطون کے منکر ہین، یہ ان کے ہتھکنڈے ہین، اسی طرح یہ مسائل کو الجھا کر کسانون اور مزدورون کی آنکھون مین خاک جھونکا کرتے ہین'

سوال یہ ہے کہ ہم کن معنون مین فلسفۂ اخلاق اور اخلاقی ضابطون کا انکار کرتے ہین؟

ہم ان اخلاقی ضابطون کے منکر ہین، جن کی تبلیغ بورژوا طبقے کی طرف سے کیجاتی ہے، اور جو خدا کے احکام سے مستنبط ہوتے ہین، یقینی ہم کہتے ہین، کہ ہم خدا پر ایمان

[۵] اشتراکیت کی شریعت مین "بورژوا" کے معنی ظالم کے ہین، سرمایہ دارون صنعتی ماہرین اور صنعتی ادارون کے منتظمین اور بڑے کارندے جن کی خوش حالی اور ترقی سرمایہ دارانہ نظام سے وابستہ ہوتی ہے، ان سب گروہون کو مجموعی حیثیت سے مارکس "بورژوا" کا لقب دیتا ہے،

نہیں رکھتے ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اربابِ کلیسا، زمیندار اور بورژوا سب اللہ کے نام پر یہ دعوی کرتے ہیں تاکہ اپنے غاصبانہ حقوق کی حفاظت کر سکیں،

ہم ان تمام اخلاقی ضابطوں کے منکر ہیں، جو مافوق البشر تصورات سے ماخوذ ہوں، یا طبقاتی تصادم پر مبنی نہ ہوں، ہمارا ضابطۂ اخلاق تمام و کمال طبقاتی تصادم اور پرولتاریہ کے مفاد کے تابع ہے، پرولتاریہ کے طبقاتی تصادم اور ان کی ضرورتوں پر ہم اپنے ضابطۂ اخلاق کی بنیاد رکھتے ہیں،

پرانا سماج غریبوں اور مزدوروں کے نوچ کھسوٹ اور سرمایہ داروں اور زمینداروں کی سرپرستی پر قائم ہے، ہمیں اس سماج کو تباہ کرنا ہے ہمیں ان زمینداروں و سرمایہ داروں کا تختہ الٹنا ہے لیکن اس کے لئے تنظیم کی ضرورت ہے، خدا ایسی تنظیم نہیں پیدا کر سکتا

(God could not create such - organisation)

اسی لئے ہم کہتے ہیں، کہ وہ ضابطۂ اخلاق جو انسانی سماج کے باہر سے لیا گیا ہو ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ ایک ڈھونگ ہے، ہمارا ضابطۂ اخلاق پرولتاری طبقاتی تصادم کے مفاد کے تابع ہے[1]"

(ص ۵۰۔۵۰، Religion از لینن)

---

[1] لینن کے اس بیان کی تہ میں مارکس کا یہ نظریہ کام کر رہا ہے کہ کسی دور میں معاشی پیداوار کا جو نظام ہوتا ہے اسی کے مطابق اور اس سے ہم آہنگ بعض اخلاقی قدریں پرورش پاتی ہیں، ہر عمل کو اچھا یا برا اسی نسبت سے قرار دیا جاتا ہے، جس نسبت سے وہ مروجہ معاشی نظام کے مطابق دولت کی پیدائش میں معاون ہوتا یا اس میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے...... اخلاقی معیار کوئی

یہ ہے اشتراکیت کا پروردہ ری اخلاقی فلسفہ جس کا خلاصہ آپ نے مارکس کے خلیفہ اور موجودہ روس کے بانی کی زبانی سُن لیا، اب اس کے کچھ نمونے بھی ملاحظہ ہوں :-

جب مذہبی اخلاق نہیں تو پھر پابندیاں کیسی ؟ شادی کا معاملہ ان پابندیوں سے پہلے آزاد ہوا، کلیسا کی بے دخلی تو ہو ہی چکی تھی، رجسٹری کا ایک دفتر کھول دیا گیا، اور یہ اختیار دیا گیا کہ جو مرد و عورت ساتھ رہنے کے خواہش مند ہوں، وہ دفتر میں جاکر نام درج کرالیں مگر آزادی کی رو میں یہ بھی بار خاطر معلوم ہوا، اور آزاد جوڑے بر ملا بلا روک ٹوک گل چھرے اڑانے لگے، روسی انقلاب کے بعد اشتمالی نوجوانوں میں یہ روگ اتنا بڑھا کہ خود اشتمالی لیڈر اس انجام سے گھبرانے لگے، اور انھوں نے اپنے پیروؤں کو اس اخلاقی انحطاط سے روکنے کی کوششیں کیں، تفصیل میں پڑنے کا یہ موقع نہیں، اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جس سماج میں معاد کا عقیدہ نہیں ہوگا، اور جو معاشرت جزا و سزا کے تصور سے بے نیاز ہوگی، اس کے اخلاقی انحطاط کو کوئی حکومت یا دنیاوی طاقت نہیں روک سکتی، اشتمالی روس بھی اس کلیہ سے خالی نہیں،

انقلاب کے بعد عام اخلاقی انحطاط اور اس کے نتائج سے گھبرا کر اشتمالیوں نے کچھ روک تھام شروع کی، تو اس سے بعض مغربی مبصروں نے قیاس کیا، کہ روس پھر پرانے اخلاقی ضابطوں کا قائل ہوتا جارہا ہے، ہمارے ایک ہم وطن سوشلسٹ (ام، آر، مسانی) اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یہ واقعہ ہے کہ سی، ای، ام، جوڈ (C. E. M. Joad) اور ان جیسے

(بقیہ حاشیہ ص۵۳) دائمی قدر نہیں رکھتے، بلکہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، — اخلاق کا دار و مدار عام انسانوں کی بھلائی پر نہیں، بلکہ غالب معاشی طبقوں کی بہبود پر ہے،

بعض اصحاب یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ روس کے اشتمالی لیڈر اپنے بلند بانگ دعوؤں سے پھر رہے ہیں، اور ایک ایسی سوسائٹی کا تخیل (جس میں شادی، کنبہ اور خانہ داری کے جھنجھٹ نہ ہوں) ان کے دماغوں سے نکل رہا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ روس پھر انہی پرانے اخلاقی ضابطوں کی طرف لوٹ رہا ہے، جو انقلاب کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہ گئے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ نئی سماجی، درصنفی آزادی کے بے جا اور انتہا پسندانہ استعمال کے روک تھام کا خیال پیدا ہو گیا ہے لیکن اس رجحان سے یہ خیال کر لینا کہ روس پھر پرانے اخلاقی ضابطوں کی طرف لوٹ رہا ہے ایسا ہی غلط ہوگا، جیسے یہ سمجھنا کہ سوویٹ یونین پھر سرمایہ دارانہ نظام کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔"
(Soviet Sidelight: ص۳۰)

یہی مصنف دوسری جگہ روس کی اس "صنفی آزادی" کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"مردوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی اب آزادی سے متمتع ہو رہے ہیں، عورت اب محض جائداد منقولہ (chattel) نہیں رہ گئی ہے اس نے آزاد انسانیت کے تمام حقوق حاصل کر لئے ہیں، شادی اور طلاق کے قوانین اس پر گواہ ہیں عصمت فروشی (prostitution) کا کامیاب خاتمہ اس انقلاب کا اہم اور نمایاں منظر ہے، چنانچہ یہ جا راج میں بچوں کی تربیت کی ذمہ داری سراسر حکومت کے سر ہے۔" (صفحہ ۸۶)

۵۱ پی۔ ٹی۔ چندرا صاحب اپنی نئی کتاب Soviet Cyclopaedia (ص۹۹) میں اعتراف کرتے ہیں کہ روس میں طوائفیں اب بھی پائی جاتی ہیں ——— یوں اباحیت مطلقہ (صنفی انارکزم) کے بعد طوائفوں کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے،

کیون نہین ؟ جب عورتون اور مردون کو ملنے جلنے ساتھ رہنے اور صنفی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی گئی تو پھر عصمت فروشی کی باضابطہ روک تھام کی کیا ضرورت باقی رہجاتی ہے ؟ اب تو ہر ہوٹل، ہر پارک، ہر کوارٹر عصمت فروشی اور صنفی انارکزم کا اڈا ہے، اور حکومت بچون کی تربیت اپنے ذمہ نہ لے تو کیا کرے ؟ جب مرد و عورت خانگی زندگی سے محروم ہو رہے ہین، صبح و شام شریک زندگیان بدلتی رہتی ہین، تو پھر بچون کی رکھوالی کون کرے ؟ صنفی انارکزم کی صورت مین اسٹیٹ بچون کی تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لینے پہ مجبور ہے، مسانی صاحب نے اس اخلاقی ہیجان اور شادی اور بیاہ کے نئے قوانین کی خاصی تفصیل دی ہے، (ملاحظہ ہو: صفحہ ۵۰، ۸۰، ۹، ۲، ۸۰، ۴۸) اختصار کے خیال سے ہم یہان اُسے نظرانداز کرتے ہین،

یہ تو اس "اشتمالی فلسفۂ اخلاق" کے سماجی مظاہر تھے، سیاسی اور روزمرہ کی زندگی مین اس "فلسفۂ اخلاق" کی فتنہ سامانیان حد سے بڑھی ہوئی ہین، اشتراکیون اور اشتمالیون کی کتابین پڑھنے اور ان سے ملنے جلنے کے بعد ہمین اس کا مکمل یقین ہو گیا ہے، کہ ان کے آئین مین اخلاق کی کوئی قیمت نہین، ضمیر، دیانت اور اس قسم کے دوسرے لفظ اشتراکی لغت سے بالکل نکال دیئے گئے ہین، یہ لوگ اپنے کو ابن الوقت (opportunist) کہتے ہین[۱] یعنی یہ عوام اور متوسط طبقون سے اپنے خیالات صاف صاف نہین کہتے، ان کی مہم کی ابتدا اور انتہا سب نفاق پر ہے، لیکن ان کے ہان نفاق بھی کوئی بُری چیز نہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ مقصد برآری کے لئے ہر کام جائز ہے، یہ اپنے کام کا آغاز غریبون اور گرے ہوئے طبقون

---

[۱] راقم کے ایک کمیونسٹ ملنے والے دوران گفتگو مین زچ ہو کر فرمایا کرتے ہین :-
"Communist means opportunist

کی ہمدردی سے کرتے ہین، ابتدا رمین یہ غریبون کے مذہب سے بالکل تعرض نہین کرتے، سالہا سال تک یہ لوگ معاشی سوال، اور "طبقاتی تصادم" کا منفخ بجاتے رہتے ہین، جب مواد پک جاتا ہے، اُس وقت وہ لامذہبیت کا اظہار کرتے ہین، آج ہندوستان مین بھی یہی حال ہے، اور رنج کی بات یہ ہے کہ ہمارے علما کا ایک اچھا خاصہ طبقہ بھی اُن سے متاثر ہے، ایک صاحب تو اپنے کو "مُسلم سوشلسٹ" بھی کہنے لگے ہین، ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟

خیر بات لمبی ہے پھر کبھی عرض کیجائے گی، اس باب کے ختم کرنے سے پہلے اشتمالیون کے اخلاق اور اسلامی ملکون مین ان کی پالیسی کے متعلق ایک غیر مسلم مبصر کی شہادت، ہم پیش کردینا چاہتے ہین، ڈاکٹر زکی علی مصری کے حوالہ سے باکو کانگریس ۱۹۲۰ء کا ذکر اوپر آچکا ہے، اسی کانگریس کے متعلق مزید معلومات حاضر ہین :-

"باکو کی بالشویک اورنٹیل کانگریس کی دلچسپ یاد ہمارے ذہن مین ہے، جو آج سے اُنیس سال پہلے منعقد ہوئی تھی، جس کی کارروائیان مطبوعہ صورت مین ہم نے بھی دیکھی تھین، اس کانفرنس میں یہاں تک کہا گیا تھا، کہ کوئی پروپگنڈا خواہ کتنا ہی ذلیل، جھوٹ، اور دغا پر مشتمل ہو، اشتمالی مقصد کے حصول کے سلسلے میں اسے بُرا نہیں کہا جاسکتا، اخلاق (Morality) کو بالکل الگ کردینا چاہئے، جتنا سفید جھوٹ ہوگا، اتنا ہی جلد کامیاب ہوگا :

(The greater the lie, the more readily it prevail) (اسٹیٹسمین افتتاحیہ، دسمبر ۱۹۳۹ء)

کیا اس کے بعد بھی کسی تبصرے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے،

(۹)

اشتراکیت کا معاشی پہلو

اشتراکیت کی بنیاد بیٹا اور روٹی پر ہے، مگر ہم نے اس پہلو پر اب تک بحث نہین کی، حقیقت یہ ہو کہ اب اشتراکیت کی حیثیت، ایک مکمل ضابطۂ حیات اور فلسفۂ زندگی کی ہو گئی ہے، اس لئے معاشی پہلو پر گفتگو کرنے سے پہلے اُن کے نظری اور مابعد الطبیعی گوشون کو اجاگر کرنا ضروری تھا،

قدرِ زائد — مارکس کی معاشی تعلیم مین قدرِ زائد (Surplus Value) کے نظریہ کو بڑی شہرت حاصل ہے، اس لئے اس کی مختصر سی تشریح کرنا ضروری ہے، اس کی بنیاد اصل میں قدر کے اس نظریے پر ہے، جس کے مطابق صرف محنت (Labour) ہی قدر پیدا کرتی ہے، اصطلاح میں اس نظریہ کو محنت کا نظریۂ قدر (The Labour theory of value) کہا جاتا ہے،

مارکس سے پہلے آدم اسمتھ (Adam Smith) اور ریکارڈو (Ricardo) بھی اسی طرح کا خیال رکھتے تھے، ان لوگون کی رائے مین اشیاء کی قدر تبادلہ کا اصل معیار مزدور کی محنت ہے، مزدور کی محنت ہی اصل قدر (Value) پیدا کرتی ہے، گو آدم اسمتھ نے کبھی یہ نہین کہا کہ جسمانی محنت ہی قدر پیدا کرتی ہے، بلکہ اوس نے یہ بھی اعتراف کیا، کہ بعض اشیاء کی قدرین کمیابی (Scarcity) اور طلب (demand) کی بنا پر بھی متعین ہوتی ہین،

مارکس نے اپنا نظریۂ قدر ریکارڈو ہی سے مستعار لیا، لیکن اس کی اپیل عقل کی بجائے جذبۂ نفرت سے تھی، اس جذبۂ نفرت سے، جو ایک بے خانمان مزدور کے دل مین سرمایہ دارون کی جانب سے پرورش پاتا رہتا ہے، مارکس یہ ثابت کرنا چاہتا ہے، کہ صرف محنت ہی قدر (Value) پیدا کرتی ہے، عقل و استدلال کے بالکل خلاف اس نے یہ نظریہ مزدورون اور دکھیارون کے دل و دماغ مین اتار دیا کہ وہ مظلوم ہین، ان کی اصلی اجرت نہین نہین دیجاتی، ظالم سرمایہ دارون کے ہاتھون کی کمائی ہضم کئے بیٹھے ہین، اصل مین یہ نظریہ اشتراکی منشور کی باغیانہ روح کے لئے وجہ جواز مہیا کرتا ہے،

دوسرے ماہرین اقتصادیات کی طرح مارکس بھی افادی قدر (Use value) اور قدر تبادلہ (Exchange value) کے درمیان فرق کرتا ہے، ایک چیز اگر انسانی ضرورت کو پورا کرتی ہے، تو وہ افادی قدر رکھتی ہے، گو بازار مین اوس کی قیمت نہ ہو، ہوا کی افادی قدر سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن یہ قدر تبادلہ کی مالک نہین، اوس کے برعکس جو چیز قدر تبادلہ رکھتی ہے، ضروری ہے کہ وہ افادی قدر بھی رکھتی ہو،

اب یہ سوال ہے کہ ایک شے کی قدر تبادلہ (Exchange value) کیا ہے؟ مارکس کہتا ہے کہ اگر ہم اشیا کی افادی قدر کو الگ کرلین تو پھر صرف ایک چیز باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ سب کی سب محنت کی پیداوار ہین،

مارکس تسلیم کرتا ہے کہ محنت، نوعیتون کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، بننے والے کی محنت کاتنے والے سے یقینی مختلف ہوتی ہے، لیکن کیفیت اور نوعیت کے ان اختلافات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے، محنت کی تمام اقسام مین اُسے صرف اس مشترک حقیقت سے بحث ہے کہ سب کی سب انسانی محنت ہین، نوعیتون سے الگ مجرد محنت ہی محنت کی پیداوار کو قدر عطا کرتی ہے، قیمتون کی زیادتی کا اندازہ محنت کی زیادتی سے لگایا جائے گا،

یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب اشیا کی قدر کا تعین محنت کی زیادتی اور کمی سے ہوگا، تو ایک کاہل اور اناڑی مزدور کی تیار کی ہوئی چیزیں زیادہ قیمتی ہوں گی، اس لئے کہ ان پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، اس کے جواب میں مارکس نے سماجی طور پر ضروری محنت (Socially necessary labour) کی اصطلاح پیدا کی ہے، وہ کہتا ہے کہ سماجی طور پر ضروری محنت عبارت ہے اس محنت سے جو عادی حالات میں اوسط درجے کی مہارت سے ایک چیز کی پیدائش کے لئے ضروری ہو، مگر اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سماجی طور پر ضروری محنت کے ناپنے کا پیمانہ کہاں سے آئے گا؟ پھر اناڑی (Unskilled) اور ماہر (skilled) کاریگروں کی محنتوں کے باہمی فرق کا اندازہ کیسے لگایا جا سکے گا، رائج الوقت شرح اُجرت (wage) اور قیمت (Price) کا سہارا لئے بغیر یہ کس طرح معلوم کرنا ممکن ہوگا، کہ ایک ماہر کاریگر کی محنت میں ایک اناڑی کاریگر کی محنت کی کتنی اکائیاں (units) صرف ہوئی ہیں، مارکس نے اس کے بعض طریقے بتائے ہیں، مگر وہ الجھاؤ سے خالی نہیں،

حقیقت یہ ہے کہ ریکارڈو اور مارکس کے نظریۂ قدر میں تھوڑی سی ترمیم کر لی جائے، تو اس کی قابل قبول توجیہ ہو سکتی ہے، جسمانی محنت میں محدود کرنے کے بدلے اگر دماغی محنت کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے، تو ذرا وسعت اور سمائی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح اشیا کے قدر تبادلہ کی تعیین اور تشخیص میں محنت کے ساتھ ساتھ کم یابی (Scarcity) اور مانگ (demand) کو بھی کافی دخل ہے، لیکن یہ توسیع مارکس کا مقصد پورا نہیں

سلہ مارکس کا جرمن فقرہ یہ ہے :-

"Gesellschaftlkich notwendiger Arbeit"

کرسکتی، اس لئے کہ قدر پیدا کرنے والے عوامل (Factors) کی تحلیل و تجزیہ کرنا،
اس کا مقصود نہیں، اسے تو صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مزدور مظلوم اور مقہور ہیں، اور اس کا
آسان نسخہ یہ تھا، کہ محنت کے نظریۂ قدر پر سختی کے ساتھ اصرار کیا جائے، گو مارکس کی بعض
تحریروں میں کچھ لچک کی جھلک ملتی ہے، مگر اشتراکیوں کو یہی ٹھیٹھ نظریہ ایپیل کرتا ہے کہ
اسی سے مزدوروں کی مظلومیت اور سرمایہ داروں کا نظام بے نقاب ہوتا ہے، V

اس مظلومیت کی مزید عام فہم تشریح یوں کی جا سکتی ہے، کہ موجودہ سرمایہ دارانہ
نظام میں مزدور بالکل بے خانماں ہے، وہ نہ تو آلاتِ پیداوار کا مالک ہے، اور نہ وسائل
دولت ہی پر اس کا قبضہ ہے، گو اشیا میں اصلی قدر اس کی محنت ہی سے پیدا ہوتی ہے اگر
وہ اپنی بے چارگی کے باعث سرمایہ دار سے اپنے کام کا معقول معاوضہ نہیں حاصل کر پاتا،
فاقہ اور پیٹ کی مار کے باعث وہ سرمایہ دار کے ہاتھ اپنی محنت بیچنے پر مجبور ہے، سرمایہ دار
تو معقول قیمت کے انتظار میں بازار کے اتار چڑھاؤ کا انتظار کر سکتا ہے، لیکن مزدور معقول
اجرت کے انتظار میں صبر نہیں کر سکتا، اوّلاً تو معدہ تعویق برداشت کرنے کا عادی نہیں
دوسرے اگر وہ سرمایہ دار کی مقرر کردہ شرح اجرت قبول نہیں کرتا، تو ہر وقت یہ خطرہ
لگا رہتا ہے کہ مبادا دوسرے مزدور (جو اسی کی طرح پیٹ کے درد میں مبتلا ہیں) نہ کہیں
اس کام پر لگ جائیں، ان مشکلوں کے باعث مزدور سرمایہ دار کی مجوزہ شرحِ اجرت
پر اُس کے ہاتھ اپنی محنت فروخت کرنے پر مجبور ہے، یہ سوچنے کی مہلت اُسے نہیں ملتی،
کہ آٹھ یا دس گھنٹے روزانہ کی واقعی اُجرت کیا اسی قدر ہونا چاہئے جو اُسے مل رہی ہے،

یہ اوپر آپ پڑھ چکے کہ مارکس کے نزدیک صرف محنت ہی قدر پیدا کرتی ہے کسی
شئے کی صحیح سماجی قدر (True Social value) کا تخمینہ محنت[لہ] کے پیدا کردہ

لہ یہاں محنت سے مراد وہ محنت ہے جو اس چیز کی پیدا وار میں صرف ہوئی ہے،

قدر تبادلہ اور مواد خام کی قیمت کے مجموعے کو ملا کر کیا جا سکے گا، سرمایہ دار اشیا کی قدر مین کوئی اضافہ نہین کرتا، تو اب اشیا کے صحیح قدر تبادلہ اور ان کی فروختنی قیمت (Selling price) کے درمیان جو فرق ہے، وہی "قدر زائد" ہے، جو سرمایہ دار نے مزدور کا حق غصب کر کے حاصل کیا ہے، اسے سادہ طریقے پر آپ یون سمجھ سکتے ہین، کہ ایک مزدور ایک روپیہ روزانہ پر آٹھ یا دس گھنٹے کام کرتا ہے، اب غور کیجئے، تو معلوم ہو گا کہ ایک روپیہ آٹھ یا دس گھنٹوں کی مزدوری نہین، یہ تو صرف دو یا تین گھنٹے کی مزدوری ہے، باقی پانچ سات گھنٹے جو وہ محنت کرتا ہے، یہ اوس محنت کے علاوہ ہے، جس کا معاوضہ وہ سرمایہ دار سے پا رہا ہے، اس زائد محنت کا نفع اسے نہین ملتا، بلکہ اوس زائد نفع سے صرف سرمایہ دار فائدہ اٹھاتا ہے، اسی زائد نفع کو مارکس "قدر زائد" کے نام سے موسوم کرتا ہے، اور یہی زائد قدر ہے، جس سے سرمایہ دار غریب مزدورون کو لوٹتے ہین اور یہ لوٹ گھسوٹ صرف اس لئے ممکن ہے کہ سرمایہ دار آفرینش دولت کے تمام ذرائع پر قابض ہے،

دولت کی مساویانہ تقسیم اور شخصی ملکیت کی منسوخی

"قدر زائد" کے نظریہ اور اوس کی فنی موشگافیون کو چھوڑ کر اشتراکی معاشیات کی تان دو باتون پر آکر ٹوٹتی ہے،

(۱) دولت کی مساویانہ تقسیم،

(۲) شخصی ملکیت کی منسوخی،

مساویانہ تقسیم کے بارے مین اشتمالیت کا نصب العین تو یہ ہے کہ سماج مین طبقون کا اختلاف ختم ہو جائے، ایک مثالی سماج (Classless Society) قائم ہو، جہان ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق تمام چیزین مل جائین، مگر یہ مثالی سماج

ایک ایسا خواب ہو جس کی تعبیر مشکل ہی نظر آتی ہے، خود اشتراکیون کو بھی اس کا اعتراف ہو؛
آج کل روس مین جو نظام رائج ہے، اُسے سوشلزم (اشتراکیت) کا دور کہا جاتا ہے،
جس مین پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت بنا دیئے
گئے ہین؛ اور ضروریاتِ زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے ذمہ ہو؛
اس طرح پر وہان پیداوار کی ایک متعین منصوبہ بندی (Planning) کے مطابق
اشیا پیدا اور تقسیم کی جاتی ہین، اس نظام مین ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق نہین، بلکہ
اس کی محنت اور کارکردگی کے مطابق ضروری اشیاء فراہم کی جاتی ہین، قدرتی طور پر اس
نظام مین سماج کے مختلف افراد کی معاشی حالت یکسان نہین ہو سکتی، کہ افراد کی استعداد
اور صلاحیت مین بڑا تفاوت ہو، موجودہ روس مین اسٹریچی کے بیان کے مطابق مختلف افراد
کے مابین زیادہ سے زیادہ فرق ایک اور پندرہ کا ہے، جو سرمایہ دار ملکون کے مقابلہ مین کچھ بھی
نہیں، پھر بھی اشتراکیت کے بلند بانگ دعوون کے جھٹلانے کے لئے کافی ہو؛

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہو کہ اشتراکیت کامل معاشی مساوات پر زور دیتی ہے، مگر ذمہ دار
اشتراکی اس کی تردید کرتے ہین، البتہ مارکس اور دوسرے اشتراکیون کی تحریرون سے یہ
خیال ظاہر ہوتا ہے، اور عام طور پر اشتراکیت بول کر "معاشی مساوات" ہی مراد لیا جاتا ہے
خود اچھے خاصے پڑھے لکھے (Well - read) اشتراکی بھی ایسا ہی سمجھتے ہین، مسٹر

ـ ۵ ...انہی وجوہ کے باعث مارکس اور اینجلز نے نظریے کے طور پر اور لینن اور اسٹالن نے عملاً یہ تجویز مسترد
کر دی کہ سب کو یکسان اور برابر اجرت دی جائے، (اسٹریچی: ص۱۱) اس مین شک نہین کہ سوویٹ انقلاب
کے ابتدائی سالون مین ایک حد تک تمام مزدورون کو یکسان مزدوری دینے کی کوشش کی گئی، لیکن عرصہ ہوا
کہ اصولاً وعملاً دونون حیثیتون سے (کامل مساوات کا) یہ نظریہ مسترد کر دیا گیا (پی ٹی چندرا: ص ۱۳۵)

ام، آر، مسانی نے بھی اس مسئلہ پر نظر ڈالی ہے :-

"ایسے لوگ بھی ملتے ہین، جن کا خیال ہے کہ روسی سویٹ اپنے نصب العین سے ہٹ کر مملکتی سرمایہ داری پر آگئے ہین، اور اپنے اس بیان کی تائید مین روس کے موجودہ عدم مساوات کو پیش کرتے ہین، بے شک وشبہ روس مین عدم مساوات ہے اور اس درجہ پر ہے، کہ ہر اشتراکی اُسے دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے ....

کارخانون مین معمولی اجرت کی شرح ڈیڑھ سو سے لیکر دو سو روبل ماہانہ تک ہے لیکن اسی پنچایتی پر جار اج مین ایسے شہری (اوقاف کے منیجر، مصنف، ایکٹرس) بھی ہین، جن کی ماہانہ آمدنی پانچ ہزار روبل سے اوپر ہے، گاڑیون مین اونچے اور نیچے درجے، تماشہ گاہون مین ٹکٹون کی مختلف شرحین اور فوجی افسرون کے خطابات کی تجدید، یہ سب چیزین ایک مساویانہ نظام معیشت کے ساتھ لاگ نہین کھاتین، "مساوات کا یہ تصور محض ایک بورژوا تصور ہے" کہہ کر ٹالنے سے اشتراکی ضمیر کی تسکین نہین ہوسکتی، سادہ طریقے پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشتراکیت مساوات کے ہم معنی ہے، (مسانی : ص ۸۱)"

اس کے بعد مسانی نے موجودہ عدم مساوات کی مختلف توجیہین کی ہیں، اشتراکیت اور اشتمالیت کے باہمی فرق کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، اوس سے انھین اتفاق نہین، اس لئے کہ وہ اشتراکی (Socialist) ہین اور اشتمالیون (Communist) سے خاصہ اختلاف رکھتے ہین،

---

۵۱ اس بیان کے مطابق روس مین معاشی تفاوت ایک اور پچیس کی نسبت تک پہونچ جاتا ہے،

۵۲ یہ کامریڈ Molotov کا فقرہ ہے،

بہرحال اشتراکیت کے روسی علم برداراوران کے پیرو جو کچھ بھی کہین، اچھے خاصے اشتراکی بھی اشتراکیت اورمساوات کو مرادف ہی مانتے آئے ہین، اوراشتراکی روس مین موجودہ معاشی تفاوت اشتراکیت کی ناکامی اورغیرفطری ہونے کا ایک بین ثبوت ہے، ہوسکتا ہو کہ آنہ اور پائی کی برابری مارکس کے ذہن مین نہ ہو، لیکن اونچ نیچ کا امتیاز مارکس کی باغیانہ روح کی ضدا ور نقیض ہے، اصلیت یہ ہو جیسا ہمنے کہین اوپر بھی کہا ہے، کہ جب لینن اوراس کے رفیقون نے مارکس کے معاشی نظریون کو عملی جامہ پہنانا چاہا، توانھین کافی ترمیم کرنا پڑی، اسٹریچی جیسے "مومن صادق" نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔[1]

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اشتراکی اب تک دولت کی مساویانہ تقسیم مین ناکام رہے ہین، رہی یہ بات کہ "وہ کامل معاشی مساوات" کے قائل ہی نہین تھے، اورمساوات کا یہ تصور خالص بورژوا تصور ہے، (جیساکہ اسٹالن اوراس کے حواری کہتے ہین) تواس سے بڑھ کر ہمارے لئے خوشی کی بات اورکیا ہوسکتی ہے؟ اوراگر وہ کامل معاشی مساوات کے نظری طورپر قائل تھے اوراب عملی تجربون کے بعداس منزل پرآگئے ہین، تو یہ اشتراکیت کی ناکامی کا کھلا اعتراف ہے۔

بہرحال موجودہ اشتراکی روس مین دولت کی مساویانہ تقسیم ہوسکی ہو یا نہ ہوسکی ہو، یہ نظام معیشت ہی غیرفطری سرتاپا غلط اوراس لئے بے شمار مشکلات کا سبب بن سکتا ہے، آپ وسائل پیداوار اوران کی تقسیم کا حق، یکسر جماعت کی ملکیت بنادیتے ہین، مگرجماعت ہے کیا چیز؟ آخرجماعت کے ارادون اورمنصوبون کو نافذ کرنے والی کوئی انتظامی مجلس ہوگی؟ اور عملاً جماعت کو یہ کام ایک منتخب عاملہ کے حوالہ کرنا ہوگا، یہ مختصر منتخب عاملہ (Executive) گو شروع مین جماعت ہی کا منتخب کردہ ہوگا، لیکن جب تمام ذرائع معاش اس کے قبضہ مین ہونگے

[1] اسٹریچی (صفحہ ۲۵۵)

اور عام آبادی اپنا رزق انہی کے ذریعہ پا سکے گی تو اس گروہ کا جماعت پر حاوی ہو جانا یقینی ہے،
یہ گروہ ملک کے نظم و نسق اور سیاہ و سفید کا مالک ہوگا، کوئی منظم سے منظم طاقت اسے اقتدار
کی مسند سے برطرف نہ کر سکے گی، اور تو اور، سرمایہ داری نظام میں تو ایک کارخانہ کے مزدور
ہڑتال کر کے دوسرے کارخانوں کا دروازہ بھی کھٹکھٹا سکتے تھے، مگر یہاں تو ایک ہی بڑا سرکاری
کارخانہ دار ہے، جس کی زیادتیوں اور سختیوں کی کوئی اپیل نہیں، اور اس کے کارخانہ سے ہڑتال
کے معنی بھوک اور موت کے سوا اور کچھ نہیں، اس نظام کا لازمی ارتقا یہ ہے کہ تمام کارخانہ داروں
اور سرمایہ داروں کو اکھاڑ کر ایک بڑا کارخانہ دار پوری قوم اور ملک پر مسلط ہو جائے، اور اسی
کی حکومت بھی ہو، ایسے استبدادی نظام میں افراد کا جو حشر ہوگا، ظاہر ہے، اولاً تو کسی فرد
یا منتخب گروہ کا کلی اختیار پا کر دماغی توازن برقرار رکھنا ہی مشکل ہے اور خاص کر اس صورت
میں کہ اوپر کسی غیبی طاقت کا خوف اور آخرت میں جواب دہی کا تصور بھی نہ ہو، یہ اور بھی مشکل ہے،

ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے، یہ سب چیزیں موجودہ اشتراکی روس میں مشاہدے میں آچکی
ہیں، اور آرہی ہیں، پرولتاری آمریت کسی حالت میں بھی کسی دوسری آمریت سے بہتر نہیں
کہی جا سکتی، ایک گروہ ملک کے تمام وسائل معاش اور مملکت کی ساری مشینری پر قابض ہے،
کسی کی جرأت نہیں جو اس کی کوتاہیوں پر حرف بھی رکھ سکے، اور کسی نے جرأت کی، تو وہ معتوب
و مردود۔۔۔ اللہ جانے، کتنے بڑے لیڈر اور جنرل اسٹالن کے چشم و ابرو کے اشارے پر
موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں جنھیں دلچسپی ہو، وہ لوئی فیشر کی کتاب[1] میں ان مظالم
کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں،

اس نظام کی دوسری بڑی خرابی یہ ہے، کہ اس میں انسانی شخصیت کے ارتقاء کا

[1] Stalins Russia.

کوئی امکان نہین رہتا، جمہوریت نے افراد کو شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دیا تھا، اس کے جواب مین اشتراکیت اور فاشنیت یا نازیت نے افراد کو مواد خام کی حیثیت دے رکھی ہے، جہان انسانون کی منصوبہ بندی (Planning) ہوتی ہے، اور ایک منتخب گروہ انسانون کو لوہے کے پرزے یا چمڑے کے جوتون کی طرح ڈھالتا اور بناتا ہے، شخصیت کی تکمیل اور اُس کی آزاد نشو ونما انسانی تہذیب کی اعلیٰ قدر ہے، اور جو سوسائٹی اس سے محروم ہوگی، وہ مہذب اور ترقی یافتہ سوسائٹی نہین کہی جا سکتی،

(۱۱) شخصی ملکیت کی منسوخی دولت کی مساویانہ تقسیم کے ساتھ اشتراکی نظام شخصی ملکیت کو بھی مٹا دینا چاہتا ہے، مگر وہ شخصی ملکیت کی بھی دو قسمین کرتے ہین، ذرائع پیداوار مین شخصی ملکیت تو اشتراکی شریعت مین حرام ہے، لیکن افراد کے ذاتی استعمال کی چیزون مین شخصی ملکیت روا رکھی گئی ہے، مثال کے طور پر یون سمجھئے کہ اشتراکی روس مین ایک شہری اپنا ذاتی مکان رکھ سکتا ہے، آرام و آسایش کے سامان موٹر اور فرنیچر وغیرہ خرید سکتا ہے، اور ایک مقررہ حد تک نقد بھی رکھنے کا مجاز ہے، مگر وہ مکان کو کرایہ پر نہین اٹھا سکتا، اور نہ نقد کو کسی تجارتی یا صنعتی کاروبار مین لگا سکتا ہے، یہ کام حکومت کا ہے، پیداوار اور اس کی تقسیم کا سارا انتظام مملکت کے ہاتھ مین ہے، افراد کو ان کی کارکردگی کے مطابق اُجرت دی جاتی ہے، اور ضروری اشیا فراہم کی جاتی ہین،

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اشتراکی روس مین شخصی ملکیت قطعاً ممنوع ہے، مگر یہ بات صحیح نہین معلوم ہوتی،[1] ماہرین اشتراکیت اس کی تردید مین متفق اللسان ہین،

---

[1] اب شخصی ملکیت مین رعایت یہان تک پہونچ گئی ہے کہ روس مین لوگ اپنی بچائی ہوئی دولت کو بنیک مین رکھ سکتے ہین، اور اس پر انھین سود ملتا ہے،

بہرحال ہمارے نزدیک اس مین کسی شک وشبہہ کی کوئی گنجایش نہین، کہ شخصیتون کی تکمیل اور افراد کی آزاد نشو ونما کے لئے ذرائع پیداوار مین بھی شخصی ملکیت کی اجازت ہونا چاہیئے، ورنہ انفرادی جد وجہد کا خاتمہ ہوجائے گا، جس پر تمام انفرادی واجتماعی کوششون کا دار و مدار ہے، ذرائع پیداوار کی شخصی ملکیت اور اس کے پھیلاؤ سے جو معاشی اور سماجی خرابیان رونما ہوتی ہین، ان کا تدارک اور روک تھام حکومت کا کام ہے اگر نظام حکومت صالح اور اس کے چلانے والے بھی صالح ہون، تو پھر کوئی خرابی اور معاشی ابتری رونما نہین ہوسکتی،

اشتراکی معاشیات اور اسلامی نظام

ابھی ہم نے کہا ہے کہ اشتراکی معاشیات مین دو چیزون پر زیادہ زور دیا جاتا ہے،

(۱) دولت کی مساویانہ تقسیم اور

(۲) شخصی ملکیت کا استیصال،

یہ دونون چیزین سرمایہ داری نظام اور اس کی بے اعتدالیون کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوئی ہین، اسلام کی راہ افراط وتفریط کے درمیان ہے، اسلام کے نزدیک انسان کا معاشی مسئلہ زندگی کے دوسرے مسئلون سے کوئی الگ چیز نہین، انسانی زندگی اگر جسم ہے تو انسان کے عقائد، عقلی ودماغی مطالبات، سیاسی ومعاشی مقتضیات، قلب وجگر اور مختلف اعضاء کی حیثیت رکھتے ہین، انسانی زندگی کے کسی ایک شعبے کا حل مجموعے سے الگ ہوکر نہین کیا جاسکتا، مگر غلطی سے اب تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے، لوگون نے معاشیات پر اتنی توجہ دی کہ حیات انسانی کے دوسرے شعبے ان کی نگاہون سے اوجھل ہوگئے، یا پھر معاشیات ہی کو کل زندگی سمجھ لیا گیا، اور اشتراکیت نے تو یہان تک غلو کیا، کہ معاشیات کو محور انسانیت

عقائد، مذہب، واخلاق کو اس کے گرد گھمانا شروع کر دیا، اشتراکیت کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ وہ معاش کے مسئلے کو مرکزی مسئلہ قرار دے کر پوری انسانی زندگی کو اس کے گرد گھماتی اور سارے مسائل کو وہ ایک گہرے معاشی تعصب کی نگاہ سے دیکھتی ہے، انسانی عقل کی یہی بے اعتدالی ہے، جس نے معاشی مسئلے کو اتنا الجھا دیا ہے، ورنہ اگر انسانی زندگی مین "معاشی مسئلے" کو وہی اہمیت دی جائے، جو جگر یا گردہ (مثال کے طور پر عرض کیا جا رہا ہے) کو جسم انسانی مین ہے، اور جس طرح ایک طبیب صرف گردہ یا جگر" کے علاج پر اکتفا نہین کر سکتا، بلکہ اسے مریض کے پورے جسم اور اس کے مزاج کی مخصوص کیفیتون کا لحاظ کرنا ہوتا ہے، اسی طرح اگر انسانی زندگی کے تمام مسائل کے ساتھ اور ان کے مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے معاشی مسئلے کا حل تلاش کیا جائے، تو پھر کوئی پیچیدگی نہیں پیدا ہو سکتی،

انسان کے معاشی مسئلے کے حل مین اسلام کا طریقہ ٹھیک یہی ہے، اسلام کا معاشی نظام اس کی دوسری تعلیمات سے کوئی الگ چیز نہین، بلکہ اسلامی نظام معیشت ایک مکمل نظام حیات کا ایک جز ہے، اسلامی نظام حیات کی ابتدا ایک اللہ کے تصور سے ہوتی ہے، اس کا نصب العین قومیت نہین، بلکہ انسانیت ہے، انسانیت کا تقاضا یہ ہے، کہ تمام افراد کو صرف عام شہری اور سیاسی حقوق ہی نہین، بلکہ معاشی حقوق مین بھی مساوات حاصل ہو،

یہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ اسلام مین دولت مقصود بالذات نہین، یہ صرف ذریعہ ہے اپنی ذات، خاندان، اقربا، اور انسانیت کی خدمت کا، مقصد نہین، جو لوگ اسے مقصد بنا لیتے ہین، (خواہ ملعون سرمایہ دار ہون، یا بلند بانگ اشتراکی) وہ نفس انسانی کی تحقیر کرتے ہین، اسلام نہ محتاجی اور گداگری کو پسند کرتا ہے، اور نہ اوس کے حدود مین سرمایہ داری کی گنجائش

نکل سکتی ہے، وہ نہ مسیحیون، راہبون، اور جوگیون کی طرح ترک دنیا کی ترغیب دیتا ہے اور نہ مادہ پرستون کی طرح دولت، اور روٹی کی پرستش کرتا ہے، اسلام نہ سرمایہ داری نظام اور جمہوریت کی طرح ضرورت سے زیادہ انفرادیت (Individualism) پر زور دیتا ہے اور نہ اشتراکیون اور کلیت پسند مملکتون (Totalitarian States) کی طرح انفرادی جد وجہد کا خاتمہ یا اس پر ناروا پابندیان عائد کرنا چاہتا ہے، اسلام کی معاشی راہ انفرادیت اور اجتماعیت (Socialism) کے درمیان سے جاتی ہے، اسلام شخصی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے اور انفرادی جد وجہد کی راہ مین رکاوٹ نہین ڈالتا، لیکن "انفرادی جد وجہد" کے معنی یہ نہیں کہ وہ افراد کو معاشی لوٹ گھسوٹ (Explo-ploitation) اور غریبون کا خون چوسنے کی اجازت دیتا ہے، اسلام مین انفرادی جد وجہد اور شخصی ملکیت کی اجازت سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرنا کہ یہ سرمایہ داری نظام کی حمایت ہے" سخت غلطی ہے، وہ ایسے قانونی اور اخلاقی ضابطے عائد کرتا ہے جن کے ہوتے ہوئے لوٹ گھسوٹ یا ناجائز انتفاع ناممکن ہو جاتا ہے،

(۱) زکوٰۃ: آپ پورے معاشی نظام کو سامنے رکھئے، پھر غور کیجئے، صرف "زکوٰۃ" کا نظام ایسا ہے، جو سماج (معاشرہ) کی اکثر معاشی مشکلات کے حل کے لئے کافی ہے، کوئی ایسا دین نہین جس نے غریبون ضعیفون اور بے کارون کی پرورش کا اتنا معقول انتظام کیا ہو، یہ معمولی انکم ٹکس نہین، انکم ٹیکس تو صرف ہر سال کی آمدنی ہی پر عائد ہوتا ہے، اور زکوٰۃ اندوختہ پر بھی فرض ہے، یہ کتنا زادر دولت کے تمرکز (Accumula-tion of wealth) کو روکتا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ دولت چند افراد مین سمٹ کر نہ رہ جائے، اس کے انتظام کی صورت بھی شارع ؑ نے متعین کر دی ہے

یہ رقم جماعت کے مشترک خزانہ (بیت المال) مین جمع ہو گی، اور خزانہ ان تمام لوگون کی ضروریات کا کفیل ہوگا، جو مدد کے محتاج ہون، یہ ایک طرح سے پوری سوسائٹی کے لئے انشورنس کا بہترین نظام ہے، اس سے ان تمام خرابیون کا بھی سد باب ہو جاتا ہے، جو کسی جماعت مین امداد و اعانت کا مشترک نظم نہ ہونے کے باعث پیدا ہوتی ہین، اور ہو سکتی ہین،

زکوٰۃ کے سلسلے مین ایک بات رہی جاتی ہے، یہ شبہہ نہ ہو کہ زکوٰۃ صرف زر اندوختہ ہی پر فرض ہے، سونا چاندی کے علاوہ زرعی پیداوار، مویشی اور تمام اموال تجارت پر بھی سالانہ زکوٰۃ فرض ہے، اموالِ تجارت پر زکوٰۃ فرض کرکے سرمایہ داری کے مفاسد کا پورا پورا سدِ باب کر دیا گیا ہے، مختلف چیزون مین زکوٰۃ کی مقدار مختلف[1] ہے، اور اس مین ان عوامل کی رعایت کی گئی ہے، جو اموالِ زکوٰۃ کے حصول اور پیداوار مین معاون ہوتے ہین، جن اموال مین مشقت کم پڑتی ہو ان مین زکوٰۃ کی مقدار زیادہ ہے، اور جن مین زیادہ مشقت کرنا ہوتی ہے، ان مین مقدار زکوٰۃ کم رکھی گئی ہے،

(۲) تقسیم غنیمت — اجتماعی دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد پر تقسیم اور عام غربت و افلاس کے دور کرنے مین زکوٰۃ کے علاوہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے بھی بہت مدد ملتی ہے، غنیمت وہ مال ہے جو کفار محاربین سے دورانِ جنگ مین حاصل کیا جائے، ان مین پانچوان حصہ بیت المال کا ہے، باقی چار حصے غنیمت حاصل کرنے والے لشکریون پر انصاف کے ساتھ بانٹ دیئے جائین گے۔ پانچوان حصہ تو خیر غریبون کے لئے مخصوص ہی ہے، باقی چار حصون کا بیشتر جز بھی کم استطاعت اور معمولی اوسط درجے کے لوگون ہی کو ملتا ہے، کہ عام لشکریون مین انہی کی تعداد ہوتی ہے نیز غنیمت

[1] زکوٰۃ کی مختلف شرحون کی تفصیل فقہ کی کتابون مین ملے گی، البتہ سونا چاندی (یعنی زر) خرید و فروخت کی صورت مین تجارتی مال کی حیثیت سے ہو یا کنز کی صورت مین جمع ہو، چالیسوان حصہ زکوٰۃ دینا ہوگی،

کی اس تقسیم میں ایک معمولی سپاہی اور ایک کمانڈر کا حصّہ یکساں رکھا گیا ہے، اور خود خلیفۂ اسلام کو بھی یہ حق نہیں کہ مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز چھانٹ کر اپنے لئے مخصوص کرے۔

(iii) قانون وراثت | سمٹی ہوئی دولت کے پھیلانے کی ایک تدبیر، اسلام نے قانون وراثت کے ذریعہ نکالی ہے، دنیا کے دوسرے قانونوں میں دولت کا وارث خاندان کا ایک فرد ہوتا ہے، آج بھی ہندوستان کے تعلقہ داروں اور بڑے زمینداروں کے ہاں عام طور پر بڑے بیٹے پورے تعلقے پر قابض رہتے ہیں، اس طرح پر یہ جاگیری نظام قائم چلا آتا ہے، لیکن اسلامی قانونِ وراثت کی موجودگی میں یہ صورت قائم نہیں رہ سکتی، ایک شخص جو بڑی تندہی اور جانفشانی سے پیسہ پیسہ جمع کرکے دولت سمیٹتا ہے، اس کے مرتے ہی وہ دولت اس کے وارثوں میں پھیلا دی جاتی ہے، بیٹے بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، شوہر، بھائی، بہن سب ایک شخص کے وارث ہیں، اور ایک ضابطہ کے مطابق سب پر میراث کا تقسیم ہونا ضروری ہے، قریب کے عزیز موجود نہ ہوں تو دور اور پرے کے عزیز تلاش کئے جائیں گے۔ اور اگر کوئی دور کا وارث بھی موجود نہ ہو، تو اس کی سمٹی ہوئی دولت بیت المال میں داخل کردی جائے گی، یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ اسلامی قانون وراثت کے نافذ ہوتے ہوئے بڑی سے بڑی زمینداری یا سرمایہ داری دو تین پشتوں سے زیادہ نہیں رہ سکتی، دولت اور امارت خاندان کے مختلف افراد میں بٹ جائے گی، اسلام کی خواہش یہی ہے کہ دولت ہمیشہ گردش میں رہے، زیادہ سے زیادہ افراد میں پھیلے، اور منقسم ہو، فرمانِ ربانی (۵۹ : ۷)

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ • (تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان محصور ہو کر نہ رہ جائے)

سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، قانونِ وراثت اس خواہش کو اچھی طرح پورا کرتا ہے، اس کے نفاذ کے بعد دولت کا سمٹاؤ ہو ہی نہین سکتا،

(۱۷) سود — سرمایہ داری نظام کی پیدایش مین سودی کاروبار کا بڑا دخل ہی، روپیہ کے ذریعہ روپیہ کمانا انسانیت کی سب سے بڑی لعنت ہی، اہلِ زر اسی کاروبار کے باعث کاہل ہوجاتے ہین، اور محنت کی قدر نہین کرتے، اور جب وہ محنت اور مزدوری کی قدر نہین جانتے تو ان کا دل پتھر ہوجاتا ہے، ایسے لوگ ظاہر مین انسان معلوم ہوتے ہین، اور باطن مین خونخوار درندون سے بڑھ کر ہوتے ہین، اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر ان برائیون کا انسداد اور اس فتنہ (سرمایہ داری) کی پوری بیخ کنی کردی ہے، جب سرمایہ ہی کسی کے پاس جمع نہین ہوگا، تو پھر سرمایہ داری نظام کہان؟ سود کی انہی ہلاکت آفرینیون کی وجہ سے اس پر اصرار کرنے والون کو اللہ سے جنگ کی دھمکی دی گئی،[۱]

فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ — تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ،

(۲: ۲۷۹)

(۱۸) اکتناز کی ممانعت — سرمایہ داری کی بے اعتدالیون اور تباہ کاریون سے سماج کو محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے اکتناز (دولت کے خزانون کا محدود افراد کے پاس جمع ہوجانا: (Accumulation of wealth) کو ممنوع قرار دیا ہے، اور ان لوگوں کیلئے جو اللہ کی راہ مین خرچ کئے بغیر زر و جواہر کے انبار لگائے جاتے ہین، قرآن کریم مین سخت وعیدین آئی ہین

---

[۱] یہ واضح رہے کہ قرآن مجید مین کفر اور شرک کے علاوہ بڑے بڑے گناہ کو بھی اللہ اور رسول سے جنگ نہین کہا گیا، اس سے یہ بات آئینہ ہوتی ہو کہ اسلامی قانون مین اس جرم کی کتنی اہمیت ہی اور قانون ساز حقیقی نے سوسائٹی کی بیماریون کے لئے کتنا پائدار اور اکسیر نسخہ تجویز کیا ہے،

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ، یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ، ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ،

(توبہ — ۵)

اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں مین ڈھیر کیے رہتے ہین، اور اللہ کی راہ مین اُسے خرچ نہین کرتے، تو ایسے لوگون کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو دردناک عذاب کا) وہ دن جب سونا چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ مین تپایا جائیگا اور اسی سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو، اور ان کی پیٹھین داغی جائین گی (اور اُسوقت کہا جائیگا) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ جمع کیا تھا سو

(ترجمہ [illegible] ترجمان القرآن [illegible])

یہ ہے زر و جواہر کے انبار کی قیمت اللہ کے نزدیک سود اور قتلِ عمد کے علاوہ کسی جرم کے بارے مین ایسی سخت وعیدین نہین آئین ہم سمجھتے ہین، کہ اسلامی حکومت ایسے مکتنزین (سرمایہ دارون) کے خلاف مناسب تعزیری کارروائی کرنے مین حق بجانب ہو گی،

اکتناز و احتکار کے لئے کوئی گنجایش نہین

ان قوانین و احکام کے ساتھ اگر جوے اور سٹے کی حرمت پر بھی نظر رہے، نیز اجارہ اور سودی رہن کی حُرمت بھی آنکھون سے اوجھل نہ ہونے پائے تو پھر یہ حقیقت روز روشن کی طرح نمایان ہو جاتی ہے، کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشے مین سرمایہ داری کی دو بڑی برائیون احتکار[۱] (اشیاء ضرورت کو اس غرض سے روک رکھنا کہ قیمتین گران ہون) اور اکتناز (معاشی وسائل کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا اجارہ قرار دینا) کی کوئی گنجایش نہین، اسلام نے اس قسم کے تمام ناجائز وسائلِ معاش (احتکار، جوا، سٹہ، زنا،

---

[۱] راقم یہان احتکار و اکتناز کو ذرا وسیع معنون مین استعمال کر رہا ہے،

رقص وسرود، چوری، رشوت، فریب دہی وغیرہ وغیرہ کو حرام قرار دے کر ان تمام مفاسد کی راہ روک دی ہے، جو ایک ترقی یافتہ اور بڑھتی ہوئی سوسائٹی مین اپنا گھر بنا لیتے ہین،

ایک اہم نکتہ اسلام کے معاشی نظام پر تنقید یا دوسرے معاشی نظامون کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے، کہ اسلام ایک انفرادی معاملہ نہین، نہ اس کی تعلیمات الگ الگ دیکھی جا سکتی ہین، یہ اجتماعی زندگی کا ایک مکمل نقشہ ہے، اور اسلام نے سماج کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے، اگر وہ ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہوگا، جہان انفرادیت و اجتماعیت کا ایک خوش گوار توازن کارفرما ہوگا، وہان نہ جمہوریت کی طرح افراد خود غرض اور شتر بے مہار ہون گے، اور نہ اشتراکیت اور فاسنیت یا نازیت کی طرح افراد کی کوئی مستقل حیثیت ہی [illegible] ہوگی، اس الٰہی نظام مین ہر فرد بشر اپنے رب اور مالک کے سامنے اپنے اپنے اعمال کا الگ الگ جواب دہ ہے، اور ہر ایک نظام بشری کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی ساری طاقت صرف کر دینے پر مامور بھی ہے، یہان فرد خود مختار و آزاد ضرور ہے، مگر یہ آزادی و خود مختاری جماعت اور معاشرہ کی بھلائی کے لئے وقف رہتی ہے، انفرادیت و اجتماعیت کا ایسا دل پسند اور خوش گوار توازن اور میل کہین دوسری جگہ نہین نظر آ سکتا، سچ کہا ہے کسی نے کہ اسلام اضداد کا مجموعہ (Synthesis of opposites) ہے، انفرادیت اور اجتماعیت دونون کی بھلائیان اس مین موجود ہین، اشتراکیت اور آمریت دونون کے اچھے عناصر اس کے اندر سموئے ہوئے ہین، لیکن یہ مرکب (Synthesis) ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے، اس کے کسی جزو کو دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، یہی غلطی ہے جس کے شکار ہو کر "دانش فروشان عصر حاضر" اسلام کا ڈانڈا کبھی اشتراکیت سے ملاتے ہین، اور کبھی جمہوریت سے! کبھی ہٹلریت کا جامہ اس پر

راست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی اس کو حریت و معاشی مساوات کا علم بردار تبایا جاتا ہے اصل یہ ہے کہ یہ سب باتین صحیح بھی ہین، اور غلط بھی، صحیح اس طور پر کہ ان سب نظامات بشری کے اچھے اور صالح عناصر اسلامی نظام کے اندر موجود ہین، اور غلط اس لئے کہ اسلام نہ اشتراکیت ہے نہ آمریت، یہ نہ یورپ کی جمہوریت ہے، نہ ایشیا کی شخصی حکومت ــ یہ اپنا الگ نظام رکھتا ہے اسے دنیا کے کسی نظام سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی، دستور حکومت ہو یا معاشی نظام اس کی راہ افراط و تفریط کے درمیان سے جاتی ہے، ــ

خلاصۂ بحث | خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے، اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے، تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہوگا، جس مین نہ تو بڑے بڑے کروڑپتی ہونگے، نہ مفلس و محتاج طبقے، بلکہ ایک طرح کی درمیانی حالت ہوگی، ایسے افراد ضرور ہون گے جو اپنی انفرادی جد و جہد سے زیادہ دولت پیدا کرسکین گے، لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ خرچ کرنے پر مجبور رہوگا، گویا افراد کی کمائی سے صرف افراد کی مالی حالت نہین اچھی ہوگی، بلکہ جماعت بہ حیثیت جماعت بھی خوش حال ہوگی، لائق اور محنتی افراد صرف اپنے لئے نہیں کمائین گے، بلکہ پوری جماعت کے لئے، سرمایہ داری نظام کی طرح یہ نہین ہو سکتا، کہ ایک کی زندگی دوسرے کے لئے موت اور ایک طبقے کی کمائی دوسرے کے لئے تباہی اور خانمان بربادی کا پیام بن جائے، زکوۃ کی فرضیت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید سے دولت افراد مین بٹتی جائے گی، قانونِ وراثت سے دولت چند افراد مین محصور نہ رہ سکے گی، سود کی حرمت سے غریبون کا خون چوسا نہ جا سکے گا، اور پھر اجارہ اور احتکار کی حرمت کے ساتھ یہ بھی نہین ہو سکتا کہ قیمت کی افزائش کے خیال سے سرمایہ دار غلہ کو روکے رکھیں اور غریب سسک سسک کر جان دے رہے ہون ــ یہ باتین اسلامی قانون کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہین، اور ہو سکتی ہین اگر یہ مصیبت

یہ آن پڑی ہے کہ یہاں صرف مارکس (ف ۱۸۸۳ء) انجلز (ف ۱۸۹۵ء) اور لینن (ف ۱۹۲۴ء) کے اقوال سند رکھتے ہیں، ابوحنیفہؒ (ف ۱۵۰ھ) مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) اور شافعیؒ (ف ۲۰۴ھ) کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ گئی ہے، اور اگر کوئی ان کا حوالہ دے تو وہ غریب گردن زدنی!!

مختصر یہ کہ اسلام ایسا معاشی نظام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جہاں شخصی ملکیت بالکل تباہ نہ ہو، اور سرمایہ داری بھی پیدا نہ ہو سکے، وہ معیشت میں انفرادیت اور اجتماعیت دونوں کی خوبیاں جمع کرنا چاہتا ہے، وہ احتکار و اکتناز کی حرمت کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ تمام افراد معیشت میں یکساں نہیں ہو سکتے، عدم یکسانی قدرتی ہے، صلاحیتوں کے اختلاف سے محنت و معیشت کے ثمرات بھی مختلف ہوں گے، اس کے خلاف اشتراکیت انفرادی ملکیت کو یک لخت ختم کر دینا اور جبری نظام کے ذریعہ اپنے خیال میں دولت کی مساویانہ اور منصفانہ تقسیم کرنا چاہتی ہے، وہ ذرائع پیداوار کو یکسر حکومت کے قبضہ میں رکھکر مزدوروں کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے، اشتراکی نظام میں افراد کی کوئی حیثیت نہیں، یہ نظام آمریت خواہ فاشیت کے رنگ میں ہو یا اشتراکیت کے روپ میں انسانی ترقی کے لئے حد درجہ مہلک ہے، اسلام معیار معیشت کے تفاوت اور افراد کی آزادی کو تسلیم کرتا ہے، اسلامی مملکت میں کاشتکاروں اور مزدوروں پر نارواپابندیاں نہیں عائد کی جاتیں، وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنا نہیں چاہتا، لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ سب یکساں مالدار ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کے لئے سامان معیشت کا انتظام ہو، اور ہر ایک کو معاشی اور معاشرتی حیثیت سے ترقی کے مواقع حاصل رہیں،

یہ اعتدال کی راہ ہے، یہی قانون فطرت ہے، زندگی کے ہر شعبے میں اسلام جو دین فطرت بھی ہے اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کرتا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ معیشت میں بھی

اعتدال کی راہ نہ اختیار کرتا، جو لوگ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اختلاف معیشت کو ختم کرنا چاہتے ہیں، وہ قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے انھیں کبھی پائدار کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی، موجودہ روس کے نت نئے بدلتے ہوئے قانون اس پر گواہ ہیں،

کتابیات

اس مضمون کے لکھنے میں جہاں تک اشتراکیت سے متعلق معلومات کا تعلق ہے، مندرجۂ ذیل کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، جو کتابیں سرسری طور پر پڑھیں یا ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا، ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، مارکس کی "Capital" بھی انھی کتابوں میں شامل ہے، ترتیب مطالعہ کے اعتبار سے ہے :-

(الف) انگریزی

(i) Modern political Theories :

(C. E. M. Joad.)

(ii) Roads to Freedom :

(Bertrand Russel)

(iii) Communist Manifesto :

(Karl Marx and Friedrich Engels)

(iv) Essay on Communist Manifesto :

(V. A. Adoratsky.)

(v) Dialectical Materialism:

(J. Berlin)

(vi) Recent political Thought:

(vii) (Francis W. Coker.)

(vii) Religion:

(V. I. Lenin)

(viii) Soviet sidelight:

(M. R. Masani)

(ix) Lenin's Russia:

(Louis Fischer.)

(x) Stalin's Russia:

(Louis Fischer)

(xi) The Theory and practice of Socialism:

(johan Strachey)

(xii) The Revolt aginst civilization:

(Lothrop Stoddard)

(xiii) Soviet Cyclopaedia:

(P. T. Chandra)

(ب) اردو

۱- ترجمان القرآن: مولانا ابوالکلام آزاد (جلد دوم ص ۱۳۰-۱۳۷)

۲- اسلام کا نظریۂ سیاسی
۳- اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)
۴- انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل

۵- ہیگل، مارکس، اسلامی نظام — مظہرالدین صدیقی بی اے

۶- مقالہ "زندگی یا موت" (جامعہ اکتوبر ۱۹۳۸ء) ڈاکٹر قاضی عبدالحمید،

ان کے علاوہ مختلف مضامین اور سیاسی رسالون سے بھی اشتراکیت کے سمجھنے مین مدد ملی ہے اس سلسلہ مین کامریڈ ایم، ان، رائے (M. N. Roy) کے ہفتہ وار اخبار (Independent India) کا ذکر کرنا ضروری ہے جو چند برس پیشتر عرصہ تک زیر مطالعہ رہا نیز بمبئی کا ماہانہ رسالہ (Indian Sociologist) بھی دو سال سے برابر زیر مطالعہ ہے، اسلامی پہلو پر کوئی نئی چیز نہین پڑھی، اور جن کتابون کا ذکر کیا گیا ہے، ان مین صرف مظہرالدین صاحب صدیقی کی کتاب ہیگل، مارکس، اسلامی نظام ابھی حال مین شائع ہوئی ہے، اور اپنے موضوع پر ایک حد تک جامع ہے کہا جاسکتا ہے کہ یہ اردو مین اپنے رنگ کی پہلی کتاب ہے جس مین ایک مسلمان کے نقطۂ نگاہ سے "اشتراکیت" پر ایک گہری اور تحقیقی تنقید کی گئی ہے، نیز اشتراکیت کے نظریون کی تشریح مین بھی پوری دیانت داری سے کام لیا گیا ہے اور تو اور خود اشتراکیت کے علمبردارون نے بھی اب تک اردو مین کوئی علمی کتاب نہین پیش کی، ان کا اب تک کا لٹریچر زیادہ تر پروپگنڈا قسم کا ہے، بعض مسلمان اہل علم نے اسلام کے معاشی نظام پر کتاب لکھی ہے مگر اشتراکیت اور جدید نظریون سے ناواقفیت کے باعث نئے نظریون کی توضیح مین ان سے بہت معمولی قسم کی غلطیان ہوگئی ہین جس کا انھین شاید احساس بھی نہو

آخر درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب
مستعار لی گئی تھی مقررہ مدت سے
زیادہ رکھنے کی صورت میں ایک آنہ
یومیہ لیا جائیگا۔

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس تعلیمات، مجلس انتظامی ایک وقت میں پانچ کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲۔ پروفیسر صاحبان و اسسٹنٹ پروفیسر صاحبان پانچ کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔ عہدہ داران جامعہ

۳۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ ایک وقت میں تین کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔ اور انہیں

اور اراکین دار الترجمہ ترجمہ شدہ دو کتابیں ایم اے، ایل ایل بی کے تحقیقاتی کام کے لئے رکھ سکیں گے۔

۴۔ طلبہ ایم اے ایک وقت میں دو کتابیں پندرہ دن کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔ اور طلبہ بی اے

طلبہ ایک کتاب ایک ہفتہ کے لیے ... اپنے پاس ... رکھ سکیں گے۔

۵۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ کی جائیں تو ایک آنہ یومیہ کے حساب سے جرمانہ لیا جائے گا۔

۶۔ ہر طالب علم کو کتابیں جاری کرانے کے لئے کارڈ کا لانا لازم ہے۔

۷۔ کتابیں اگر گم یا خراب ہو جائیں تو ... ذمہ داری جائز ہوگی۔

۸۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان سیاہی یا پنسل سے نہ لگایا جائے۔

۹۔ قلمی نسخے اور نادر کتابیں جاری نہیں کی جاسکیں گی۔ فقط